ماہنامہ
براہِ راست
لاہور
جلد 12 شمارہ 01
دسمبر 2025ء

ابو عبیدہ
28 سال عام آدمی
شہید ہوا تو بڑا آدمی

کیا مسلم ممالک غزہ پامال کر دیں گے؟
۔۔۔امریکی سازش کے تانے بانے کیا اور کہاں تک!۔۔۔

سڈنی
یہودیوں پر تنگ ہونے لگا

فلسطین پھر ابھرنے کی راہ پر
۔۔قیدیوں کو توڑا نہ جاسکا ۔۔غزہ گیس سکینڈل کیا

گریٹر اسرائیل | خواب یا حقیقت
مؤثر بائیکاٹ۔۔ملک سے فرار

MARTYR
ABU OBEIDA
ابو عبيده
شهيد
نصر من الله وفتح قريب
MAHMOUD ABBAS

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد
اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرد اگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم
اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ

براہِ راست

لاہور

جلد 12 شمارہ 12 دسمبر 2025ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com
برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com
برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

- کلام اقبال
- اداریہ

غزہ کو یہودیانے کا خواب ناک منصوبہ

اسرائیل کو مؤثر جواب دینا ہوگا، صنعتی بائیکاٹ کرنا ہوگا

سڈنی میں یہودیوں کے قتل کا واقعہ

اسرائیل کا نور شمس میں فلسطینی گھروں کو تباہ کرنے کا منصوبہ

- اسرائیلی اپنے ہی ملک سے فرار ہونے پر مجبور
- یخ بستہ ماحول: غزہ میں طوفان بادوباراں
- قیدیوں کو توڑنے کے گرفتاری، نظر بندی، نفسیاتی حربے اور تشدد
- ابوعبیدہ کون تھے؟
- غزہ گیس سکینڈل: اسرائیل، امریکہ اور متحدہ عرب امارات کی سازش
- فلسطینیوں کو غزہ بدر کرنے کا منصوبہ
- گریٹر اسرائیل کا خواب کیسے بکھرا؟
- اخبار فلسطین

کلامِ اقبال

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے
فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں
خبر نہیں روش بندہ پروری کیا ہے
فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے
اسی خطا سے عتاب ملوک ہے مجھ پر
کہ جانتا ہوں مآل سکندری کیا ہے
کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے
خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

اداریہ

غزہ کی پامالی!

غزہ کو پامال کون کرے گا؟

اگر ایک ڈالر میں 100 یا 1000 روپے ہیں تو یہ پوری قیمت کا سوال ہے۔ ایک مظاہرہ یمن اور سعودیہ کا ایک دوسرے کو پامال کرنے کا ہو رہا ہے۔ ایک مظاہرہ سعودیہ کا امارات کو پامال کرنے کا ہو رہا ہے۔ ایک مظاہرہ اسرائیل اور ایران کو پامالی کا مفہوم سمجھانے کا ہو رہا ہے۔ ایک مظاہرہ وینزویلا کو پامال کرنے کا امریکہ نے کر کے دکھایا ہے۔ ایک مظاہرہ ممکن ہے کہ ان سطور کے لکھے جانے تک چین کے تائیوان کو پامالی کا ہونے کو ہے، گھیراؤ مکمل ہے، جلاؤ کسی بھی مرحلے ہو جائے گا۔ ایک بڑا مظاہرہ روس اور یوکرائن کے درمیان ہونے کا ہے۔

یہ سب مظاہرے بتا رہے ہیں کہ ان سے بھی بڑے مظاہرے کی تیاری ہو رہی ہے۔ یہ غزہ کی پامالی، مسجد اقصیٰ کی تباہی اور اس کے نتیجے میں استنبول کی یورپی اقوام کے ہاتھوں ہونے کی ہے۔ ان سب کی پامالی ایک طرف اور غزہ کی پامالی الگ ہے۔

اسرائیل کو پامال کرنے میں کسی کو جلدی تھی اور نہ ہے۔ غزہ کو پامال کرنے کی کوشش کا پہلا مرحلہ تباہی ضرور لایا ہے، ہزاروں فلسطینیوں کے لہو نے سرزمین غزہ کو تباہ کر دیا ہے۔ لیکن غزہ پامال اس دن ہو گا یا اس دن سے ہو گا، جس دن پہلا فلسطینی انڈونیشیا، مصر، اردن یا پاکستان کی گولی لگنے سے شہید ہو گا۔ پھر حماس کے جنگجوؤں کی سنگینوں سے انہی ممالک کا کوئی فوجی پامال ہو گا، اس کی گردن، شہ رگ اور دل کٹیں گے۔ یہی مرضی غزہ کے صیاد کی ہے۔ بدقسمتی سے یہی مرضی ان مسلم افواج والوں کی ہے، یہ منظر تباہی کا، نتیجہ بربادی کا اور تحفہ ٹرمپ کا ہو گا۔

آج دنیا دیکھ رہی ہے، تماشا دیکھ رہی ہے۔ اس کے تمام تماشائی ظالم ہیں، چنگیز اور ہلاکو ہیں۔ یہ کسی صلاح الدین ایوبی کے منتظر ہرگز نہیں ہیں۔ وہ ان کے آنے سے پہلے وفات پا چکے ہیں۔ انڈونیشیا کے حکمران ڈاواں ڈول ہیں۔ وہ کسی اور ایسٹ تیمور کی پامالی نہیں چاہتے، وہ کسی ڈھاکہ سے اٹھنے والی لاکھوں آوازوں سے اب پاکستان زندہ باد کی صدا سننا نہیں چاہتے۔ وہ نیا التحریر سکوائر برپا ہوتے اور جنرل السیسی کے معزول کیے جانے کا منظر نہیں دیکھنا چاہتے۔ وہ اب کسی نئے فیلڈ مارشل کے منتظر نہیں ہیں۔

آج کی دنیا، آج کا امریکہ اور اس کا اتحادی یورپ اور اسرائیل صرف یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان، ترکی، انڈونیشیا، مصر، اردن وغیرہ وغیرہ کی افواج ہوں اور ان کے ہاتھ اس فلسطینی بچے کا سر تن سے جدا کریں اور پھر کہیں کہ شدید بارش کے جوہڑ سے ان کا سر تن سے بلند کیوں ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس سینے میں گولیاں تار دی جائیں جو اس جوہڑ میں یوں تن کے کھڑا ہے کہ بغل میں چھوٹے بھائی، بیٹے، بہن، بیٹی کو لیے ہوئے ہے، ماں اور بیوی کے سامنے کھڑا ہے کہ گولی آئے تو اس کو لگے، باقی سب بچ جائیں۔ کسی مسلم ملک کی گولی چلے تو وہ تن کے کہہ سکے، اے پاکستانی تجھے سلام، اے انڈونیشی میں تجھ پر قربان، اے ترکی تیرے وقار کو میرا خراج اور اے مصری تجھے التحریر چوک والے مبارک۔

یہ سب شاید غالباً اس لیے نہیں کہ یہ پاکستانی رہ گئے ہیں، یہ ترکیہ والے، یہ مصری رہ گئے ہیں، یہ اردنی، لبنانی اور شامی بچے ہیں، یہ اس لیے ہو رہا ہے اور ہو گا کہ یہ اب مسلم نہیں رہے ہیں۔ خون مسلم تو ارزاں ہے جس کے اندر زخموں سے رستے خون کی بارش ہو رہی ہے، پھوار اور موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ لیکن کمال کے ڈھیٹ ہیں کہ میدان نہیں چھوڑ رہے۔ اڑتے، اڑتے خیمے، پامال شامیانے نہیں چھوڑ رہے۔ ان کو پامال کون کرے گا؟

اب تو تماشائی دنیا، کیا مسلم اور کیا غیر مسلم، کہتی ہے:

جس دھج سے کوئی مقتل کو گا وہ شان سلامتی رہتی ہے

اس جان کی کیا بات، یہ جان تو آنی جانی ہے

عالمی استحکام فورس غزہ جائے گی تا کہ حماس کو غیر مسلح کرے۔ اسے اقوام متحدہ کا مینڈیٹ حاصل نہیں ہے۔ یہ محض چند خاندان ہائے غلاماں کی فوج ہو گی۔ یہ اقوام متحدہ کی امن فوج کی نیلی ٹوپی پہنے نہیں ہوں گے۔ انہیں گولی لگی تو یہ سر مقتل نہیں مارے جائیں گے، یہ عین بازاری ہو کر مارے جائیں گے۔ ہر کوئی کہے گا کہ بازاری مارے گئے، کرائے کے قاتل تھے۔ ٹھکانے لگے۔ اس وقت جنگ بندی نہیں، بل کہ اعلان زباں بندی ہے۔ اسرائیل کے حملے جاری ہیں، روزانہ جاری ہیں لیکن زبانوں پر قفل پڑے ہیں، گویا تالے پڑے ہیں۔ زبانیں کرفیو زدہ ہیں۔ کوئی کہہ رہا، کوئی نہیں بلو رہا کہ نسل کشی تو اب بھی جاری ہے۔ اسرائیل مار رہا ہے، فلسطینی مر رہا ہے، لیکن وہ پانچ ہزار ڈالر لے کر صومالیہ یا صومالی لینڈ نہیں جا رہا۔ وہ کھڑا ہے، ڈٹا ہوا ہے۔ اب تک 1000 سے زیادہ فلسطینی مارے گئے ہیں لیکن وہ اس "نکبہ" سے گھبرانے والے نہیں

ہیں۔ یلو لائن سے ٹرمپ پلان کے تحت پیچھے جانے والی اسرائیلی فوج اب بھی ٹریگر پر ہے۔ فائرنگ کر رہی ہے، بھوک بچے مار رہی ہے، زندگی بے آباد کر رہی ہے لیکن صدر ٹرمپ اور جیریڈ کشنر تماشائی ہیں، ٹونی بلیئر اور وٹکوف تماشائی ہیں۔ اسرائیل کا تو ٹریک ریکارڈ یہی ہے، نیتن یاہو کی خرافات یہی ہیں کہ یہ جنگ بندی میں جنگ پیدا کرتے ہیں۔ دنیا اب ان کو ان کے ''ناپائیدار شراکت دار'' کہتی ہے۔ اسرائیل کے نام نہاد حکام کہہ رہے ہیں کہ غزہ کے علاقوں سے اسرائیل کبھی واپس نہیں آئے گا۔ وہ درست کہہ رہے ہیں۔ ان کا ایک فوجی بھی زندہ واپس نہیں جائے گا، پامال ہو کر جائے گا، مردود بن کے جائے گا اور محکوم بن کے جائے گا۔ اگر غزہ میں رہے گا تو محکوم بن کے، یرغمال بن کے رہے گا۔

جہاں تک بین الاقوامی استحکام فورس (ISF) کا معاملہ ہے، یہ ہر چند ہے کہ نہیں ہے۔ یہ اقوام متحدہ کی چھتری سے محروم ہے۔ یہ اسرائیل کی ذیلی فورس ہے، غلام فورس ہے۔ اسرائیل کی مرضی کے ممالک سے فوجی آئیں گے۔ اس کے زیر سایہ کام کریں گے۔ اسرائیل نے پہلے گینگ بنائے تھے جو فلسطینیوں کا قتل عام کرتے تھے۔ اب مسلم ممالک کے فوجی اور سنائپرز ہوں گے۔

جب اکتوبر میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ٹرمپ پلان کی منظوری دی تھی تو یہ ٹرمپ پامالی برائے غزہ پلان تھا۔ پروگرام کے مطابق اگر یہ فورس بنتی ہے، مسلم ممالک اپنی افواج اس میں شامل کرتے ہیں، تو اس کو سرحدوں کے ساتھ تعینات کیا جائے گا تاکہ یہ مختلف افواج کو الگ رکھے، جنگ بندی پر عمل کرائے اور اس کی مانیٹرنگ کرے اور مکمل طور پر اقوام متحدہ کے تابع ہو۔ حماس نے بھی کہا ہے کہ افواج کو الگ رکھنے کا یہ فورس کام کرے، گروپوں کو غیر مسلح کرے اور کسی بھی طرح کے قبضے کی مخالفت ہی نہ کرے، اسے قبضہ کرنے ہی نہ دے، ہر طرح سے غیر جانب دار ہو اور قبضہ کرنے والی پارٹی کے تابع فرمان ہو کے نہ رہ جائے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ غزہ پر اسرائیلی قبضے کی مزاحمت کرے گی۔

لیکن اقوام متحدہ کا کسی قسم کا مینڈیٹ ہی اس فورس کو حاصل نہ ہوگا۔ امریکی اس کی قیادت کریں گے اور اسرائیلی اس کے ہراول دستے ہوں گے۔ افواج کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے کا اسے مینڈیٹ حاصل نہیں ہوگا۔ اسے کسی طرح کے معاہدے کے اصول لیڈ یا مانیٹر نہیں کریں گے۔ حماس کے اعتراضات اور تحفظات سے اسے کوئی غرض نہ ہوگی۔ جب تک حماس اسے قبول ہی نہ کرے گی تو یہ ایک غیر مؤثر فورس بن کے رہ جائے گی۔

یہ حالات تقاضا کر رہے ہیں کہ پاک افواج اس فوج کا حصہ نہ بنیں۔ یہ اسرائیل کی کمانڈ اینڈ کنٹرول میں کوئی کام نہ کریں۔ اس کا کام حماس کی چوکیداری بن کے نہ رہ جانا ہو اور کوئی ایسا دعویٰ پیش نظر نہ ہو کہ یہ فوج صرف فلسطینیوں کا تحفظ کرے گی، انہیں کسی کام سے نہیں روکے گی۔ اگر ایسا ہوا تو یہ خطرہ بہر حال رہے گا کہ پاک فوج کا فلسطینیوں سے یا حماس سے تصادم خارج از امکان نہیں ہوگا۔ یہ بہت خراب صورت حال ہوگی۔

جب پاک فوج کو تعینات کیا جائے گا تو امکان ہے کہ اسے اسرائیلی فوج اور افسروں کے تابع رہنا پڑے گا۔ اس پر کسی طرح سے اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اب تک اسرائیل کا ریکارڈ اس کی گواہی دے رہا ہے کہ اس نے کسی معاہدے کو قابل اعتنا نہیں سمجھا اور اس کو توڑا ہے۔ یہ فورس لبنان میں اقوام متحدہ کے امن کے لیے کام کرنے والوں پر بھی فائرنگ اور حملے کرتی رہی ہے۔ اگر اسرائیلی اس امن و استحکام فورس میں پاک فوج پر حملے کرے گی تو پھر کیا حالات پیدا ہوں گے؟ دوسرے یہ کہ اسرائیل سے کسی بھی طرح کا تعاون یا اس کے تحت کام بتائے گا کہ پاکستان نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا ہے اور وہ ابراہام معاہدوں کی بھی پاسداری کر رہا ہے۔ اس سے فلسطینی ریاست کے قیام کے راستے مکمل طور پر مسدود ہو جائیں گے۔

اب تک غزہ کا امن پلان غیر واضح ہے، اسے کس طرح سے نافذ کر دیا ہے۔ وینزویلا میں امریکی کارروائی نے نئے خدشات پیدا کر دیے ہیں۔ کولمبیا، میکسیکو جیسے ممالک بھی خطرات میں گھرے ہوئے ہیں، ان حالات میں غزہ کی صورت حال مزید الجھ سکتی ہے۔ پاکستان کو اپنے مفادات پر زیادہ توجہ دینا بہت مشکل ہوتا جائے گا۔ پاک فوج پر کسی بھی اور کسی نوعیت کے حملے کو محض زبانی وعدوں اور جمع خرچ پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ایسا ہوا تو پاک فوج ایک دلدل میں الجھ کر رہ جائے گی۔

صدر ٹرمپ کا امن منصوبہ مستقبل میں ڈانواں ڈول ہی نظر آتا ہے۔ اسرائیل کے اقدامات پر اس کی کمر پر امریکی تھپکی کا موجود رہنا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ہر مرحلے پر یوں تاثر دیا جاتا ہے کہ کسی بھی نکتے پر عمل درآمد سے پہلے ٹرمپ نیتن یاہو کی سوچ ایک ہی ہوتی ہے۔ اگر کہیں فرق نظر آتا ہے تو واضح طور پر حکمت عملی اور اس پر عمل درآمد کا ہوتا ہے۔ امریکہ نیتن یاہو کو راستہ دیتا یا دکھاتا ہے جب کہ نیتن یاہو پر عمل درآمد کر گزرتا ہے۔

اس موقع پر بار بار ذہن اس طرح جاتا ہے کہ اس عالمی استحکام فورس کے بجائے عالمی اسلامی فورس کو ہونا چاہیے۔ لیکن اس کے قیام اور عمل میں مسائل کا انبار ہے۔ پہلے جس اسلامی ملک نے اسے فنڈنگ دی تھی، وہ جب خود اس جنگ کا باعث ہے۔ سعودیہ یمن تصادم اس کی کھلی مثال ہے۔ یو اے ای اور سوڈان دوسرا واقعہ ہے۔ امریکہ، صومالیہ اور صومالی لینڈ تیسرا عنصر ہے۔ فلسطینیوں کی پراسرار انداز میں جنوبی افریقہ روانگی بھی کچھ کم مسئلہ نہیں ہے۔

غزہ میں نئی حکومت کا قیام بھی اسی طرح کی پیچیدگیوں کو سامنے لائے گا۔ ٹرمپ خود سٹیرنگ ویل سنبھالنا چاہتے ہیں اور ٹونی بلیئر بریک قابو کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں کسی فلسطینی کا حالات سنبھالنا بہت مشکل ہوگا۔ ابو ماذن کی فلسطینی اتھارٹی کچھ نہیں کر سکے گی اور نہ اسے کرنا چاہیے۔

دامن خیال: مرزا محمد الیاس

غزہ کو یہودیانے کا خواب ناک منصوبہ

کیا غزہ پر صہیونی قبضے کا نیا شاطر مرحلہ شروع کر دیا گیا ہے؟

کیا نسل پرستی (Genocide) اب اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہوگی؟

کیا غزہ پر قبضہ میں اتحادی اور مسلم افواج براہ راست حصہ لیں گی؟

اوران کی راہنمائی امریکہ، کارروائی مسلم ممالک کی افواج کریں گی؟

کیا 1948ء کی طرز سے زیادہ سنگین نکبہ یا صہیونی حملہ ہوگا؟

کیا صہیونی نوآبادیات کا کام شروع کر دیا گیا ہے جو اوپر بیان کیے گئے سوالات کا مہلک جواب فراہم کرے گا؟

آخر کیا ہونے جا رہا ہے۔ بارش اور سیلاب کے پانیوں میں ڈوبے حماس کے ہتھیار بھی کسی کام کے رہ سکیں گے یا انہیں محفوظ کیا گیا ہے؟

ایسے بہت سے سوالات ہیں، پے در پے ہیں، تشویش کا باعث ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ غزہ ایک بڑے عالمی استعماری حملے کی زد میں آنے والا ہے۔

17 دسمبر کا دن تھا۔ چند نعرے بلند ہو رہے تھے۔ یہ نعرے غزہ کے اندر لگائے جا رہے تھے:

غزہ۔۔اسرائیل کا ہے۔ غزہ۔۔یہود کا ہے۔ غزہ۔۔صہیون کا ہے۔

یہ نعرے نچالا گروپ کی سربراہ ڈینیلا ویس کی سرکردگی میں صہیونیوں کے چند درجن افراد لگا رہے تھے۔ ان میں بچے بھی تھے، بوڑھے اور جوان بھی تھے۔ مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔ یہ سب ایک سابقہ یہودی آبادکاروں کی متروک شدہ بستی کے باہر اور غزہ کی سرحد کے قریب لگا رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں اسرائیلی جھنڈے تھے۔ یہ غزہ کے اندر تھے۔ جمعرات کا دن تھا۔

یہ مختصر سا مظاہرہ سہی، لیکن اس بات کا اعلان تھا کہ ایک نیا نکبہ شروع ہو چکا ہے۔ یہ مظاہرہ کرنے والے الٹرا نیشنلسٹ تھے۔ نسل پرستی کا پرچار کرنے اور نسل کشی کا پھل کاٹنے کے لیے غزہ کے اندر آ کر مظاہرہ کرنے کی جرأت کرنے والے نسل پرست یہودی۔

یہ سب وہاں دو گروہوں میں غزہ کے اندر لائے یا پہنچائے گئے تھے۔ یہ اپنی موجودگی

سے یہ اعلان کر رہے تھے کہ اب ہم ساٹھ ہزار فلسطینیوں، 20 ہزار بچوں کو قتل کر کے اس خطے پر قبضہ کرنے آئے ہیں۔

یہ جمعرات کی شام کا وقت تھا۔ دن ڈھل رہا تھا اور رات طلوع ہو رہی تھی۔ ان سب کی تعداد ڈھلتی روشنی میں ان مہیب سایوں کی سی تھی جو دن کی روشنی میں، اس روشنی میں جو سب کو بتا رہی تھی کہ یہ سب غائب ہو جائیں گے جس طرح جن اور چڑیلیں سورج غروب ہوتے ہی ایک پہر کے لیے نمودار ہوتے ہیں اور عشاء کے وقت پھر غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: جب شام ڈھل جائے، رات طلوع ہونے لگے تو اپنے کو اپنے پاس اکٹھا کر لیا کرو کہ جن اور چڑیلیں باہر نکل آتی ہیں اور ایک پہر بیت جانے پر چھپ جاتی ہیں۔

اسی طرح غزہ کی سرحد پر یہ یہود و صہیون نمودار ہوئے اور چند نعرے لگا کر غائب ہو گئے یہ سب یہودی آباد کار تھے، گویا Settlers تھے جو اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتے۔ انہیں اسرائیل کا وزیر خزانہ سموٹریش جمع کرتا ہے۔

ان جمع ہونے والے لوگوں نے اپنی تنظیم اور اسرائیل کے جھنڈے وہاں گاڑھے۔ یہ یہودی بستی Codre کے پاس تھے اور ایک سابقہ یہودی بستی (Moreg) کے قریب آئے اور چلے گئے۔ ان سے پہلے دن کے ایک پہر میں Nachala تنظیم کے لوگ بھی اسی طرح سے غزہ کے اندر چند قدم آئے اور اسرائیل کا جھنڈا لگا کر چلے گئے۔ اسی تنظیم کے کچھ لوگ وسطی غزہ کے کنارے جمع ہوئے اور کفار دروم (Kfar Darum) پرانی یہودی بستی کے قریب نعرے لگائے، اسرائیل کا پرچم لہرایا، اسے ایک جگہ نصب کیا اور نعرہ لگایا:

--اب اسرائیل کا ہے غزہ

--اب صہیون کا ہے غزہ

اسرائیل کی قابض فوج کا دعویٰ ہے کہ اس نے ان مقامات سے ان لوگوں کو ہٹا دیا۔ کچھ اور کو اس علاقے میں داخل نہ ہونے دیا۔ گویا جتنی تعداد میں جتنے لوگوں سے جو کام لینا تھا، وہ لیا اور پھر ان کو وہاں سے ہٹا دیا۔

موصولہ رپورٹوں میں یہودی رپورٹروں نے لکھا ہے کہ Nachala نے غزہ میں اپنا داخلہ سٹیج کیا۔ یہ اسرائیل کا جھنڈا لہرانے کا مشن تھا اور بس! اصل کام تو اس کے بعد شروع ہونا ہے۔ وہ کام یہ ہے کہ غزہ میں یہودی بستی تعمیر کرنا ہے۔ یہ ایک خواب ہے جو یہودی اکتوبر 23 سے پہلے سے دیکھ رہے ہیں۔ اسی کام کے لیے غزہ پر دو سال یکطرفہ جنگ مسلط کی۔ اس کے باوجود غزہ میں یہودی بستی تعمیر کرنے کا خواب ان کی نیندیں خراب کر رہا ہے۔ اسی کا دوسرا حصہ خونی اور جنگی ہے۔ ان کی کوشش ہوگی کہ ایک اور جنگ مسلم کی جائے۔

اس نئی جنگ کی نئی بات یہ ہوگی کہ اسرائیلی فوج کی بھرپور حمایت اور راہ نمائی میں، امریکی کمانڈوز کی سرکردگی میں آگے آگے مسلم افواج کے دستے ہوں گے۔ یہ وہ دستے ہوں گے جن کو نسل پرستی کی جنگ میں، مسلسل اسرائیلی فضائی حملوں میں فلسطینیوں کی مدد کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اب یہ افواج اسی اسرائیل کی فوجی قیادت میں غزہ فلسطینیوں سے خالی کرائیں گے۔ مصر بھی لڑے گا، اردن اور شام بھی لڑے گا، ترکیہ اور لبنان بھی لڑے گا، اور ہاں پاکستان بھی!

Nachala گروپ دراصل سارے آپریشن کا آغاز غزہ میں گش کفار (Gush Kafr) بستی قائم کرے گا۔ یہ بستی پہلے بھی یہاں ناکہ بندی کے دوران میں غالباً تعمیر کی گئی تھی۔ یہ بستی 2005ء سے پہلے ہی آباد کار یہودیوں نے خود ہی خالی کر دی تھی۔ تب اس بستی والوں کو یہ علم ہو گیا تھا کہ حماس کے حملے ہوں گے کیوں کہ اسرائیل حملے کرنے والا تھا۔ پھر غزہ کی ناکہ بندی نے یہ بات ثابت کر دی کہ اسرائیل تو غزہ میں سے کہیں دور ہے۔ اب اسی (Gush Kafr) کو دوبارہ سے غزہ میں بنانے کا منصوبہ دراصل ساحلی تفریح گاہ (Ravieria) کا ایک طرح سے نکتہ آغاز ہوگا۔ سرمایہ دار یہودی یہاں سے غزہ کی سرزمین کے سودے کریں گے۔ بنائی جانے والی فوج امریکی حفاظت اور اسرائیلی حمایت سے اس فوج، جسے استحکام فوج کا نام دیا جا رہا ہے، پہلے مرحلے میں ان ساہوکاروں کی حفاظت کا ''مقدس فریضہ'' سر انجام دے گی۔ ترکیہ نے تو اسرائیل کو تسلیم کر رکھا ہے، اس کی فوج تو یہ کام کر سکتی ہے، کیا پاک فوج کا سپاہی بھی اب یہودی منصوبوں کو تحفظ دے گا جب کہ پاکستان نے ابھی تک اسرائیل ''تسلیم'' ہی نہیں کیا ہے؟

اس Nachala پروگ کے سرگرم کارکن، لوگ اپنی یعنی اسرائیلی حکومت پر ''دباؤ'' ڈال رہے ہیں کہ اس بستی کو فعال کیا جائے۔ اس تنظیم کی سربراہ نے کہا ہے کہ۔۔۔ ''اب خصوصی طور پر اب ہمارا مشن ہے کہ ہم ایک واضح آواز بنیں اور وہاں موجود رہیں۔ اور وہ آواز ہے:

''غزہ، اسرائیل کے لوگوں کا ہے۔''

''ہمیں اب غزہ میں Settle ہونا ہے۔''

جنگ بندی یا فائر بندی سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے، ٹائمز آف اسرائیل کے جیریمی شیرون کی رپورٹ کہتی ہے، ''Nachala نے اسی نوعیت کی ایک سرگرمی کا آغاز کیا تھا۔ لیکن ہم غزہ میں اپنے کارکنوں کو بھیج نہیں سکے تھے''۔۔۔ انہیں لگتا ہے کہ عالمی استحکام فورس (International Stablization Force) ہمیں اس کام میں مدد دے گی۔

اس گروپ کے ارکان نے غزہ کی سرحد کے قریب اپنا ایک کیمپ قائم کیا ہے۔ انہوں نے اپنی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ انہیں یہاں ایک یہودی تہوار Sukkat Holiday منانے دے اور ضروری تعاون بھی فراہم کرے۔ یہ تہوار وہ غزہ کے اندر ایک سابقہ یہودی بستی (Nisanit) کے قریب منانے دیا جائے۔

یہ بات جیت آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ سابقہ یہودی بستیوں کو غزہ کے باہر یا اندر مختلف مقامات پر فعال اور متحرک کیا جا رہا ہے۔ یہ غزہ کو یہودیانے کے منصوبے ہیں۔ اس سے پہلے ایسے ہی مطالبات امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ سے کیے جا چکے ہیں۔ امریکہ حکام اور اسرائیل کے حکام ان پر کام کر چکے ہیں اور باقی ماندہ کام کیا جا رہا ہے۔ جیمی شیرون نے لکھا ہے کہ ان منصوبوں پر عمل درآمد سے نیا قتل عام (News Massacre) ہوگا اور پھر نجانے کتنے فلسطینی مارے جائیں۔ حماس پر کیا کیا الزام لگے، بہر حال حماس کے لیے سب بس دیکھتے رہنا آسان نہیں ہوگا۔

گروپ نے اپنی حکومت کو یاد دلایا ہے کہ یہ کام اس وقت تک ممکن اور مکمل نہیں ہوگا جب تک

--غزہ کو مکمل فتح کر لیا جائے

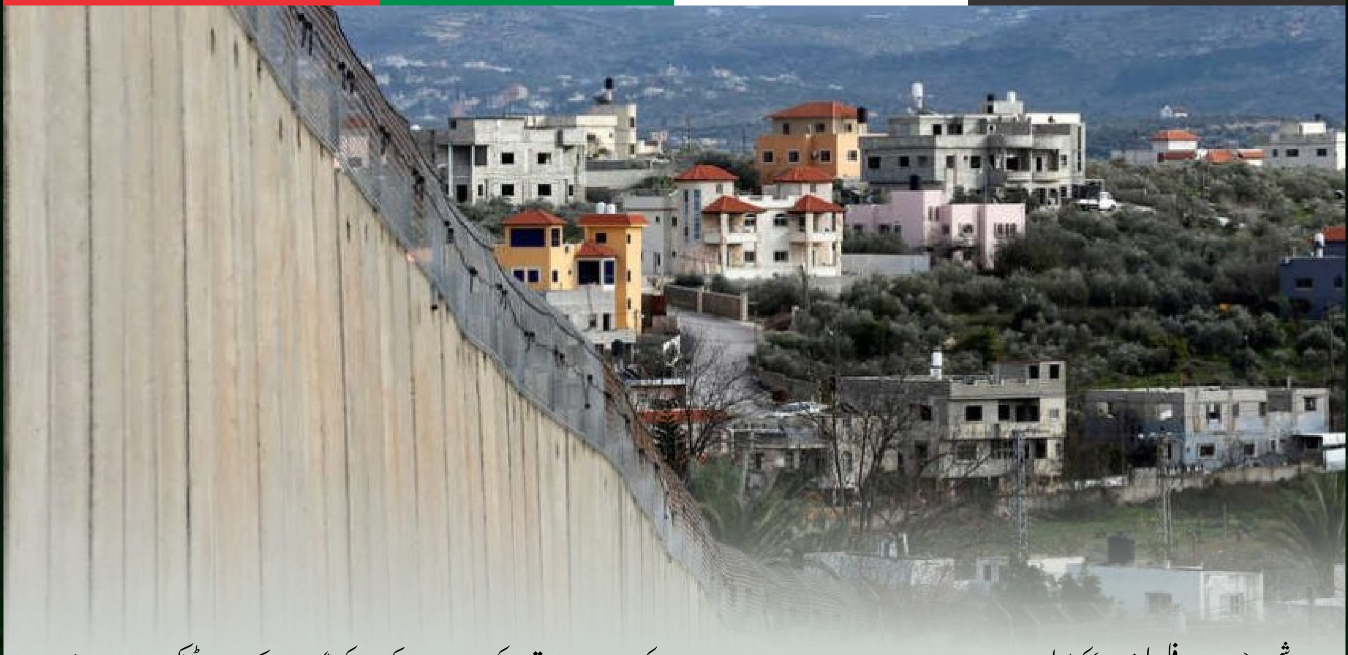

۔۔دشمن (حماس اور فلسطینیوں) کو نکال دیا جائے

۔۔غزہ کے ہر فرد (خواہ بچہ ہو) دشمن قرار نہ دے لیا جائے

۔۔غزہ میں یہودی بستیاں، کم از کم آغاز کار کے طور پر وہ بستیاں جن اوپر ذکر کیا گیا ہے، آباد نہ کر لی جائیں۔

یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ مقاصد محض اس تنظیم کے ہی نہیں ہیں، بل کہ نیتن یاہو حکومت کے ہیں۔ بزازیل سموٹریش بیان دے چکے ہیں کہ غزہ اسرائیل کا اٹوٹ انگ ہے۔

ٹائمز آف اسرائیل نے ان واقعات کو رپورٹ کیا ہے۔ نداف ریبا پورٹ نے سدروت اسرائیل سے 19 دسمبر کو لکھا کہ آبادکاروں نے Nachala تنظیم کے پلیٹ فارم سے غزہ کے قریب اسرائیلی سرحد پر جمع ہو کر مظاہرے میں اسرائیلی جھنڈا لہرا کر کہا کہ: (Raising the Flag in Gaza)۔ غزہ میں یہ جھنڈا لہرانا ہمارا نصب العین ہے۔ ان کے ناموں سے معلوم ہوا کہ وہ غزہ کو اپنی مقبوضہ جگہ قرار دیتے ہوئے یہودی بستی بسانے آئے تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسرائیلی حکومت اپنی ناکامی کا ملبہ کسی بھی طرح سے اتارنا چاہتی ہے۔ اب وہ اپنے انتہا پسند شہریوں کے ذریعے بزازیل سموٹریش کی نگرانی میں غزہ میں ابتدائی طور پر یہودی بستی بنانا چاہتی ہے۔ اس طرح وہ ساحلی تفریح گاہ کے پہلے شہریوں کے طور پر اپنا انتہا پرست لوگوں کو استعمال کر رہی ہے۔ اس طرح مغربی کنارے سے والی صورت حال پیدا کر دی جائے۔ پہلے سیٹلرز آگے لائے جائیں، ان سے معاملہ الجھایا جائے، دونوں اطراف قتل و غارت ہو اور پھر معاملہ سنبھالنے کے بہانے پولیس اور فوج کو آگے لایا جائے۔ اس دوران میں مسلسل پروپیگنڈہ کیا جائے کہ حماس حالات خراب کر رہی ہے۔ فوج علاقہ خالی کرائے۔ جہاں مشکل پیش آئے یا حماس آ جائے تو عالمی استحکام فورس کو معاملہ سنبھالنے کا کہا جائے۔ جرم کوئی اور کرے بل کہ اس سے کرایا جائے اور انصاف کے عنوان سے قبضہ کر لیا جائے۔

جس سڑک پر مظاہرہ کیا گیا، وہ ایک مصروف شاہراہ ہے۔ یہ سیاحوں کا معروف علاقہ ہے۔ یہ سیاح زیادہ تر اسرائیلی ہوتے ہیں۔ وہ یہاں اس لیے آتے رہے ہیں کیوں کہ اس سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر یہودی اسرائیلی فوج کی بمباری کا ''نظارہ'' کرتے اور محظوظ ہوتے رہے ہیں۔ جب یہ لوگ اس سڑک پر چڑھتے ہیں تو ان کے عین سامنے شمالی غزہ ہوتا ہے۔ یہ وہ حصہ ہے جہاں اسرائیل نے بے پناہ مظالم کیے تھے۔ فلسطینیوں کو مردوں اور عورتوں کی قطاریں بنوا کر ان کی نگاہوں کے سامنے ٹینکوں سے بمباری اور بلڈوزر سے ان کے گھروں کو تباہ کیا تھا۔ یہاں جمع کیے گئے لوگ ایک خاص یہودی فرقے کے انتہا پسند تھے۔ مظاہرے کے لیے ان یہودیوں کو مخصوص یہودی بستیوں سے لایا گیا۔ سڑک کنارے ان میں مشروب اور بیکری کی خاص اشیاء تقسیم کی گئی تھیں۔ کسی فرد کا تعلق ان علاقوں سے نہیں تھا۔ ان کو مغربی کنارے کی یہودی بستیوں سے بسوں میں بھر کر لایا گیا تھا۔ یہ اہتمام بزازیل سموٹریش نے کیا تھا۔ ان میں سے کچھ مظاہرین کا تعلق Starting Together Movement سے تھا۔ اس کے مظاہرین نے خاص طرح کی شرٹس پہن رکھی تھیں۔ ان پر لکھا تھا:

"We are not returning to Gaza"

اس پیغام نے مظاہرین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک وہ تھے جو غزہ ہمارا ہے، ہم غزہ جائیں گے۔ دوسری طرف لوگ تھے جو کہہ رہے تھے کہ ہم غزہ نہیں جائیں گے۔

جب مظاہرہ شروع ہوا تو ایک مقرر نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہمارے جن فوجیوں نے غزہ میں جان دی ہے، ان کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی۔ وہی مقرر کہہ رہے تھے: ''غزہ ہمارے آباء و اجداد کی جگہ ہے۔ یہ ان کا ورثہ ہے۔ ہم وہاں ضرور واپس جائیں گے اور ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ غزہ یہودیوں کا ہے اور یہودی ہمیشہ وہاں رہیں گے۔''

مشرقی مقبوضہ بیت المقدس سے لائے گئے ایک یہودی ارنون سیگان اپنے بچوں کے ساتھ مظاہرے کی جگہ آیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں یہ پیغام بہت پسند ہے کہ ہمیں بھی غزہ جانا ہے، یہ ہمارا ہے، اسے ہم کس طرح چھوڑ سکتے ہیں۔ غزہ کو یہودی بننا ہوگا۔ رپورٹ میں لکھا گیا کہ یوں لگتا ہے کہ یہ بات کرنے والے کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ یہ محض خواب ہی دیکھتے آئے ہیں اور خواب ہی دیکھتے رہیں گے۔ سیگال نے کہا کہ 50 سال پہلے مغربی کنارے میں جب پہلی یہودی بستی بنائی جا رہی تھی تو اسے بھی دیوانے کا خواب کہا جا رہا تھا۔ ہم پہلے بھی غزہ میں رہتے تھے۔ یہ فیصلہ لینے کا وقت ہے۔

سیدورت سیاحوں کی دلچسپی کی جگہ ہے۔ وہ اس مقام سے غزہ کی تباہی کا نظارہ کرنے آتے ہیں۔ غزہ خواب سہی لیکن سیگال کا کہنا ہے کہ غزہ خواب دیکھنے والوں کا ہی ہے۔ یہاں ہر صورت میں یہودی بستیاں بنائی جائیں گی۔ اس کا کہنا تھا: ''میں پرامید ہوں کہ یہودی بستی یہاں بن کے رہے گی۔ ہم آخری فلسطینی تک کو یہاں سے نکال باہر کریں گے۔

آخر کار بالکل درست سیاسی لوگ آئیں گے۔ ہمارے پاس پر جوش نوجوانوں کی کمی نہیں ہے۔ وہ غزہ داخل ہو کر رہیں گے۔ جو کہتے تھے کہ ہم غزہ جائیں گے، ان کا خواب ضرور پورا کریں گے۔

ٹائمز آف اسرائیل کے مطابق تنظیم کے ارکان غزہ کی سرحد توڑ کر اندر داخل ہونا چاہتے تھے تاکہ غزہ کے اندر جا کر اسرائیلی جھنڈا لہرائیں اور لگائیں۔ وہ یہ جھنڈا اس مقام پر لگانا چاہتے تھے جہاں ان کے بقول Nisanict نام کی یہودی بستی ہوا کرتی تھی۔ یہ شمالی غزہ کا علاقہ ہے، وہ یہاں اس لیے جھنڈا نہیں لگا سکے کیوں کہ اسرائیل کے وزیر دفاع اسرائیل نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ گزشتہ ہفتے اسرائیل کے وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو اور وزیر دفاع اسرائیل کاتس پر بہت دباؤ تھا کہ وہ Nisanit کے مقام پر اسرائیل کا جھنڈا لہرانے کی اجازت دیں۔ یہاں جو سازش تیار کی جا رہی ہے۔ اس کا علم اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ اسرائیل کی کابینہ کے ارکان نے وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو کو خط لکھا اور سب نے اس پر دستخط کیے۔ اس خط میں لکھا گیا تھا کہ ''دوسری اقوام غزہ کا کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔'' ان سب کا تعلق لیکوڈ پارٹی سے تھا۔ انہوں نے لکھا:

''وقت آ گیا ہے کہ پورے فخر سے یہ بات کہی جائے کہ غزہ سرزمین اسرائیل کا حصہ ہے۔ اور یہ ہر اعتبار سے اسرائیل کے لوگوں کی ملکیت ہے۔''

اس ہفتے لیکوڈ پارٹی (گویا نیتن یاہو حکومت) نے مظاہرہ کرنے والوں کو پیغام بھیجا اور دعوت دی جو سیدورت میں جمع تھے، یہ خط ہین لو کا تعطیل پر بھیجا گیا اور دعوت میں کہا گیا:

''ہم سارے متحد ہو کر غزہ جائیں گے۔ ہم وہاں اسرائیل کا جھنڈا لہرائیں گے۔ ہم یہ اعلان کریں گے کہ غزہ کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ یہ ہماری سلامتی کا مسئلہ ہے۔ غزہ ہمیشہ ہمارا ہی رہے گا۔''

اس ساری حمایت کا باوجود مظاہرے میں لیکوڈ پارٹی کا صرف ایک باقاعدہ رکن سیدورت میں موجود تھا۔۔۔ اوشارشید کالیم۔

اس کے علاوہ موجودہ لوگوں میں رکن پارلیمان سن ہار ملیلچ جن کا تعلق اور تزما پارٹی سے تھا جب کہ مذہبی صیہونی پارٹی سے آباد کاری کے وزیر اوریت سٹروک موجود تھے۔

وہاں آنے والوں میں یہوشوا سوکول تھے۔ ان کے بارے میں ٹائمز آف اسرائیل نے لکھا کہ یہ کوئی مقدس ہستی نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہر بین الاقوامی سرحد وہاں ختم ہو جاتی ہے جہاں سے نئی جنگ شروع ہوتی ہے۔ یہ ایک آباد کار ہیں۔ ان کا تعلق کرنائی شومرون یہودی بستی سے ہے جو مغربی کنارے میں واقع ہے۔ اس نے کہا کہ ہم یہاں اس لیے غزہ آئے ہیں کیوں کہ یہ ہمارے آباء اجداد کی جگہ ہے۔ حال یہ تھا کہ ان میں سے کوئی بھی غزہ سے نہیں تھا۔ غزہ کے مضافات سے نہیں تھا۔ شومرون نے کہا کہ ہم اسرائیلی حکومت کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں اور اسرائیلی عوام سے کہنے آئے ہیں کہ غزہ ہمارے بزرگوں کی جگہ ہے۔ یہ سلامتی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

سوکول نے کہا کہ اسرائیل میں بڑی تعداد میں لوگ اب یہ کہنے لگے ہیں کہ اسرائیل بین الاقوامی معاہدوں کا پابند ہے۔ انٹرنیشنل سرحدیں کوئی مقدس شے نہیں ہوا کرتیں۔ جب اگلی جنگ شروع ہوتی ہے تو یہ سرحدیں غائب ہو جاتی ہیں۔ اس اصول کو مان لیا جائے تو اب اسرائیل کی سرحدوں کے غائب اور غزہ کی سرحدوں کے پھیلنے کی باری ہے۔

رپورٹ میں بتایا گیا کہ وسطی اور جنوبی غزہ سے داخل ہونے والوں میں سے کسی کو اسرائیلی فوج اور پولیس نے روکا اور نہ گرفتار کیا۔

ان مقامات پر اسرائیل کا جھنڈا لہرانے کی تصاویر صرف سوشل میڈیا پر ہی نظر آئیں کسی اسرائیلی اخبار یا چینل نے بھی اس کی تصاویر جاری نہیں کیں۔ ڈینیلا ویس نے کہا کہ ہمیں فخر ہے کہ ہم نے ان مقامات پر اسرائیل کا پرچم لہرایا ہے۔ ہم عورتیں، بچے، مرد اور بوڑھے تھے۔ ہم میں فوجی نہیں تھے۔ ویس نے کہا کہ ان مقامات پر پرچم لہرانے کی معنویت یہ تھی کہ ہم آزاد ہیں، ہمیں کسی کی اجازت درکار نہیں ہے۔ ہم دنیا کی ہدایات کے پابند نہیں ہیں۔

ڈینیلا نے مزید کہا کہ غزہ امریکہ کا ریویرا نہیں بنے گا۔ یہ ٹرمپ کا بھی نہیں بل کہ اسرائیل کا ریویرا بنے گا۔ اب اسرائیل کو ڈینیلا کے مطابق ایک نئے چیلنج کا سامنا ہے۔

''ایک عہد کا آغاز ہو گا جس میں ہمیں غزہ میں داخل ہونا ہے۔ یہاں انڈونیشی یا ترک داخل نہیں ہوں گے۔ مصری بھی نہیں آ سکیں گے۔ کوئی دوسرا ملک نہیں آئے گا۔ صرف اسرائیل اور اس کے لوگ غزہ پر حکمرانی کریں گے۔''

یہ تنقید ویس نے اس لیے کی کیوں کہ اس کے خیال میں یہ اسرائیل کا تنہا حق تھا اور مذاکرات اور معاہدوں کے لیے حماس آ گئی، دوسرے ممالک آ گئے، امریکہ آ گیا۔ ترکی اور قطری آن پہنچے۔ سوکول نے بھی اسی طرح کی تنقید کی۔ اس نے ٹرمپ کو ایک سمارٹ آدمی قرار دیا۔ لیکن سارے فیصلے ہم خود کریں گے۔

نچلا نے کہا کہ:

''اب دنیا مطالبہ کر رہی ہے کہ ہم جو کچھ فتح دلائی ہے، اسے چھوڑ دیں اور مہینے دو مہینوں میں غزہ کسی اور کے حوالے کر دیں۔ کسی طرح کے حالات بھی ہوں، ہم اس کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔ اب ہم یہاں بستیاں بنائیں گے۔''

سوکول نے کہا کہ اس کا اب کام یہ ہے کہ وہ غزہ سے فلسطینیوں کو کہیں اور نکالنے کا انتظام کرے۔ بدقسمتی تو یہ ہے کہ اب تک اسرائیل غزہ سے ایک فلسطینی کو بھی نکال سکا ہے اور نہ ہی ایسا کر سکے گا۔ عالمی دباؤ اس قدر ہے کہ ہم ایسا کر پا ہی نہیں رہے۔

سوکول کے بھولپن کی داد دینی چاہیے کہ ابھی تو غزہ کے اندر فتح نہیں مل سکی۔ باہر سے کون دباؤ ڈال رہا ہے؟

اب رہا یہ سوال کہ فلسطینیوں کو غزہ سے کون اور کس طرح نکالے گا؟ غزہ کے رہنے والے ہر طرح کی نسلی صفائی کا سامنا اور مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔

اس سوال کے بارے سون ہر ملیلچ کا کہنا ہے:

''دیکھو، یہ ہو کے رہے گا۔ ہم غزہ واپس جائیں گے۔

اب فلسطینیوں کی رضا کارانہ ہجرت کی باتیں ہونے لگی ہیں۔ اب ان کو یہاں سے نکالنے کے لیے بہت بڑا انکبہ ہو گا۔ شاید یہ انسانی تاریخ کا سب سے بڑا انکبہ ہو۔ اسرائیل کے رکن پارلیمان کہتے ہیں کہ آپ نے محض سوچنا ہے اور یہ ہو جائے گا۔ گویا بنیامین یا ٹرمپ آ کر کہیں گے۔ کھل جا سم سم۔۔۔ اور اندر ہو گا۔

کنیسٹ، اسرائیلی پارلیمان نے ایک قرارداد پاس کی ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ تمام فلسطینی غزہ سے نکال دیے جائیں۔

کیا دو سال میں نکالے نہ جانے والے دو بول سن کر نکل جائیں؟

تجزیہ: ابوالعین

اسرائیل کو مؤثر جواب دینا ہوگا، صنعتی بائیکاٹ کرنا ہوگا

غزہ میں جنگ بندی کا آغاز بظاہر 10 اکتوبر سے ہوا تھا۔ اس کے باوجود اسرائیل کے حملے بھی جاری ہیں اور وہ متعدد طریقوں سے پرتشدد پالیسی جاری رکھے ہوئے ہے۔ وہ ان حملوں میں سینکڑوں فلسطینی شہید وزخمی کر چکا ہے۔ اس نے صرف ایک دن اور ایک رات میں 100 فلسطینی شہید کر دیے، کسی ضامن نے کچھ نہیں کہا، حتیٰ کہ سرسری سا بیان نہیں دیا۔ وہ منگل کا دن تھا جب ہلاکتوں کی سنچری کی گئی۔ اسرائیل طے شدہ اصول کے تحت مقررہ خوراک وادویات کو غزہ میں داخل ہونے نہیں دے رہا۔ جس وجہ سے مصنوعی قحط کی شدت کم نہیں کی جا سکی۔ وہ اب بھی تعمیر نو کے لیے آلات و مواد کو بھی داخلے کی اجازت دینے کے بجائے ضبط کر رہا ہے۔ اس کا نافذ کردہ محاصرہ اور ناکہ بندی جاری ہیں۔ وہ شدید زخمیوں کو غزہ سے باہر منتقل کرنے میں بھی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

مغربی کنارے میں حالات کچھ بھی بہتر یا مختلف نہیں ہیں۔ اسرائیل کی قابض فوج سیٹلر یہودیوں کے ساتھ مل کر فلسطینیوں پر حملے ہی نہیں کر رہی بل کہ ان کی جائیدادیں، املاک، باغات اور کاروبار تباہ کر رہی ہے۔ یہ سب پرتشدد کارروائیاں بزازیل سموٹریش کی نگرانی میں ہو رہی ہیں۔ ان کارروائیوں میں کہیں بھی انسانی جذبۂ ترحم نظر تک نہیں آتا۔ یہی پالیسی اب تک ان علاقوں میں 7 اکتوبر 2023ء کے بعد سے 100,000 سے کہیں زیادہ انسانوں کو خاک وخون میں نہلا چکی ہے۔ 16 اکتوبر کو نو سالہ بچے کو تب گولی مار کر موت کی نیند سلا دیا گیا جب وہ اپنے کم عمر دوستوں کے ساتھ ایک میدان میں فٹ بال کھیل رہا تھا۔

اسرائیل کی کارروائیاں اس لیے جاری ہیں کیوں کہ اسے امریکہ اور مغربی ممالک کی سیاسی، فوجی اور لاجسٹک سپورٹ بھی جاری ہے اور مسلسل اسلحہ بھی مل رہا ہے۔ اسی سپورٹ نے اسے اس قابل بنا رکھا ہے کہ وہ فلسطین پر ناجائز قبضہ اور جارحیت دونوں بلا روک ٹوک جاری رکھے ہوئے ہے، دو سال کی جنگ کے دوران مغربی دنیا کے ہر بڑے شہر اور دارالحکومت میں بلاشبہ لاکھوں کی تعداد میں افراد فلسطین کی آزادی کے حق میں سڑکوں پر نکلے ہیں لیکن ان حکومتوں نے اسرائیل کی امداد سوائے سپین بند نہیں کی۔

پہلے یہ سوچا جا رہا تھا کہ اتنے بڑے پیمانے پر لوگوں کا سڑکوں پر نکلنا اور فلسطین کے حق

میں احتجاج کرنا رنگ لائے گا۔ اب یہ خیال کیا جارہا ہے کہ یورپ کی لیبر یونینز میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اپنی حکومتوں کے اقدامات کو ناکام بنانے کی استعداد اور صلاحیت رکھتی ہیں۔ وہ اسرائیل اور یورپ کے درمیان تجارت پر بہت نمایاں اثرات مرتب کرسکتی ہیں۔ وہ یورپ کی بندرگاہوں سے لاجسٹک سپورٹ کی اسرائیل کو فراہمی میں رکاوٹ پیدا کرسکتی ہیں۔ مختلف سیکٹرز میں مزدور کارکن کردار ادا کرسکتے ہیں۔

لیبر ایکشن کی اہمیت:

گزشتہ دو سال سے یورپ کے ہر بڑے شہر اور دارالحکومت میں ہر ملک کی تاریخ کے سب سے بڑے مظاہرے ہوئے۔ ان مظاہروں میں خصوصاً جرمنی، ہالینڈ اور برطانیہ میں شاید تاریخ میں پہلی بار مظاہرین پر تشدد بھی کیا گیا۔ اس کے باوجود فری فری فلسطین، سٹاپ سٹاپ جینوسائیڈ کی فلک شگاف صدائیں ایوان ہائے اقتدار کو لرزاتی رہیں۔ لیکن حکومتوں نے ہر اس کال کو نظر انداز کیا جس کے ذریعے اسرائیل سے تجارت ختم کرنے، اسلحہ پر پابندی لگانے کے مطالبات کیے جاتے رہے۔ لوگ فلسطینیوں کے حقوق انسانی کے لیے مظاہرے کرتے رہے، لیکن اسرائیل کی محبت اور امریکی مخالفت مول نہ لینے کے ڈر سے کوئی اقدام نہ کیا گیا۔ اس کے برعکس اسرائیل سے تجارت میں اضافہ کیا جاتا رہا۔ اسی دوران میں آئرلینڈ وہ ملک ثابت ہوا جس نے اسرائیل سے ہر طرح کی تجارت میں اضافہ کیا۔

عوامی احتجاج، لانگ مارچ اور مظاہرے عوام کے جذبات کے بلاشبہ عکاس تھے۔ یہ مظاہرے حکومتوں کو روش تبدیل کرنے کا بہت اہم جواز فراہم کررہے تھے۔ صنعتی عمل اس سے مختلف عمل اور اثرات رکھتا ہے۔ مزدور اور کارکن معیشت چلاتے ہیں۔ اگر وہ اپنی ذمہ داری یا کام کسی بھی وجہ سے ادا کرنے سے انکار کردیں تو نتائج سیاسی اور مالی و معاشی اعتبار سے تباہ کن ہوتے ہیں۔

جن ممالک اور معاشروں میں لیبر لازم ہوتی ہے، یونینز کو ان کے کام سے روکا نہیں جاسکتا۔ یہ وہ مؤثر آواز بنتی ہیں جو پالیسی سازی میں بھی سنی ہی نہیں جاتی بل کہ گونجتی ہے۔ حالیہ تاریخ بتاتی ہے کہ اس گونج کو سنا جاتا رہا ہے، کبھی اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکا۔ اگر حالات مختلف سمت اختیار کرلیں تو مذاکرات کیے جاتے ہیں، کچھ لو اور کچھ دو کا طریقہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ان لیبر یونینوں کی مغربی ممالک میں اثرات کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت کو انہوں نے ہی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا۔ 1984ء میں آئرش نسل پرستی کو Dunnes Stores پر انہوں نے مجبور کیا اور وہاں جولائی کے مہینے سے چلنے والی تحریک نے ان سٹورز کو جنوبی افریقہ کی مصنوعات کے بائیکاٹ پر مجبور کیا۔ نسل پرست انتظامیہ ایک عفریت بن چکی تھی۔ اسی جدوجہد نے نئی تاریخ رقم کی۔ پھر نومبر 1984ء میں سان فرانسسکو میں بحری جہازوں کے عرشوں پر کام کرنے والے مزدوروں نے احتجاج کرتے ہوئے کارگو جہاز لوڈ کرنے سے انکار کردیا۔ یہ جہاز کارگو لے کر جنوبی افریقہ روانہ ہونے تھے، جو نہ ہوسکے۔

دنیا میں اس نوعیت کی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ مغرب میں مزدور کارکنوں نے نسل پرستی اور نسل پرست انتظامیہ کے خلاف کامیاب کردار ادا کیا۔ ان کی جدوجہد کی وجہ سے متعدد مغربی حکومتوں نے جنوبی افریقہ پر پابندیاں عائد کیں۔

اسرائیل یورپی یونین تعلقات پر اثرات:

اسرائیل کے تجارتی شراکت داری میں سب سے بڑا نام یورپی یونین کا ہے۔ سال 2024ء میں اسرائیل کی تجارت کا بڑا حصہ تقریباً 24 فیصد یورپی یونین کے ساتھ تھا۔ یورپی یونین نے اسرائیل کو اس کے درآمد شدہ تجارتی سامان کا 34.2 فیصد حصہ ارسال کیا۔ جب کہ اسرائیل نے یورپی یونین کے ممالک کو 28.8 فیصد سامان تجارت دیا۔ اس تجارت میں اسرائیل کو بھاری مقدار اور تعداد میں اسلحہ، گولہ بارود فراہم کیا جاتا رہا۔ اگر اعدادوشمار کو دیکھا جائے تو امریکہ کی طرف سے اسرائیل کو ملنے والا اسلحہ کل کا 20 فیصد تھا۔ تقریباً 80 فیصد حصہ اسرائیل کو یورپی یونین سے ہی ملتا رہا۔ کچھ دیگر ممالک بھی اس میں شامل تھے۔ اگر اسلحہ اور تجارت کی دیگر مصنوعات کی اسرائیل کو ترسیل رک جائے تو اسرائیل کو امریکی امداد کے باوجود نسل کشی سے روکا جاسکتا ہے۔

بندرگاہیں ہمیشہ سے ہی سمندری تجارت میں نہایت اہم رہی ہیں۔ یہ ایسے مقامات ہوتے ہیں جن سے بآسانی معلوم ہوجاتا ہے کہ کس طرف سے کتنے سامان کی ترسیل اندرون ملک ہوئی اور کس قدر سامان تجارت بہ مع نوعیت ملک سے باہر بھیجا گیا۔ یہ ساری تجارت متعلقہ لیبر یونین کے تحت ہی ہوتی ہے۔ ان مقامات سے اسرائیل جانے والے اسلحہ اور دیگر مصنوعات کو روکا جاسکے تو اس کے نہایت اہم نتائج سامنے آئیں گے۔ یورپی یونین کی کل تجارت میں اسرائیل کی مصنوعات کا مجموعی حجم 0.8 فیصد ہے۔ اگر اس میں رکاوٹ یا تعطل آجائے تو اس کی معیشت پر نہایت منفی اثرات پڑیں گے۔ اس کے برعکس یورپی یونین پر مرتب ہونے والے اثرات بہت ہی کم ہوں گے۔

یورپی یونین کی بندرگاہوں سے سامان تجارت و اسلحہ کی ترسیل کی بندش کے اثرات اس

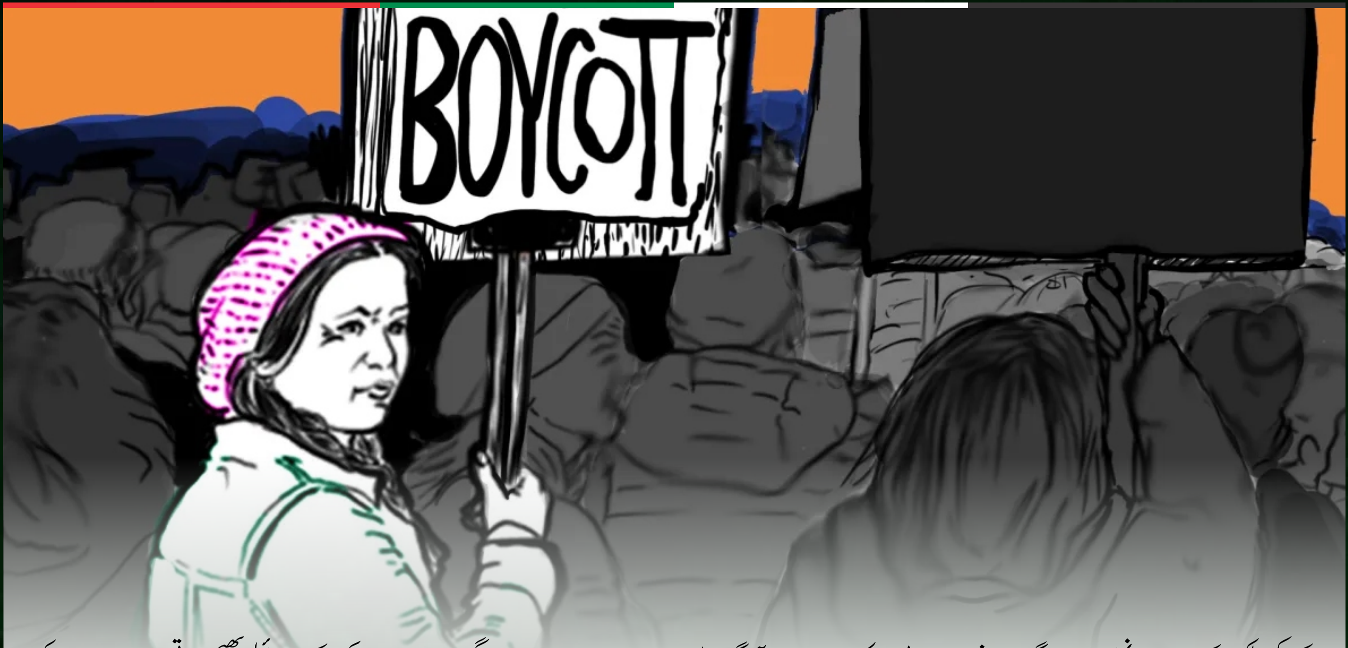

کے رکن ملکوں تک ہی محدود نہیں رہیں گے۔ یہ اثرات یورپی ممالک سے سامان آگے لے جانے پر بھی منفی اثرات مرتب کریں گے۔ مثال کے طور پر اسرائیل کی امریکہ سے سمندری تجارت کا حجم 55 ارب ڈالر سالانہ ہے۔ یہ ساری تجارت یورپی بندرگاہوں سے ہوکر اسرائیل آتی ہے۔ یہ صرف 2024ء کے اعداد و شمار ہیں۔ اگر امریکہ جانے والے کارگو سمندری جہاز ان بندرگاہوں پر رک جائیں یا ان کی روانی میں کسی طرح کا تعطل پیدا ہو جائے تو نتیجہ کیا ہوگا، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ اس کا دوسرا اثر یہ پڑے گا کہ امریکہ کو یورپی بندرگاہوں کا راستہ تبدیل کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں تجارت مہنگی اور تا دیر سے ہونے لگے گی۔

اسرائیل مقبوضہ عرب علاقوں میں قائم یہودی بستیوں میں جہاں سیٹلر یہودیوں کو آباد کرتا ہے، وہاں فیکٹریاں، کارخانے اور ملیں بھی آباد کرتا ہے۔ ان میں بین الاقوامی تجارت کے لیے مصنوعات بناتا ہے اور زرمبادلہ کماتا ہے۔ اس کی ان مصنوعات میں سے ایک بڑی برآمدی تجارت شراب کی ہے۔ یورپی یونین کی تجارتی یونینز ان مصنوعات کو کارگو کرنے سے انکار چکی ہیں۔ فلسطین کی بائیکاٹ مہم اس سلسلے میں بہت اہم اور بنیادی کام کر چکی ہے۔ وہ اسرائیل سے آنے اور اسرائیل جانے والے بحری جہازوں میں کارگو لوڈ اَن لوڈ کرنے میں بہت اہم کام کرسکتی ہیں۔ اس صورت میں اسرائیل کی یہ تجارت بہت مہنگی ہو جائے گی۔ اس سے یورپ کے ملکوں کی سمال اور میڈیم سائز کی صنعتوں کے لیے بھی سنگین مسائل پیدا کیے جاسکتے ہیں اور یہ ناممکن نہیں ہے۔

اس صورت میں ٹریڈ یونینز بین الاقوامی قانون پر عمل درآمد کر رہی ہوں گی۔ یہ انسانی حقوق کے اصولوں کے بھی عین مطابق ہوگا۔

اگر صنعتی احتجاج کو منظم کیا جائے اور یہ باقاعدہ اسرائیل کی غزہ اور مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ مقبوضہ بیت المقدس میں فلسطینی نسل کشی کے خلاف راست اقدام کرسکتی ہیں۔ فلسطین کے لیے یکجہتی کا اظہار کرنے والے گروپ عوامی حمایت کا رخ بھی تبدیل کرسکتے ہیں۔ صارفین کو اسرائیلی مصنوعات کے مکمل بائیکاٹ پر آمادہ کرسکتے ہیں۔ ٹریڈ یونین کا کردار اس میں ریڑھ کی ہڈی کا کام کرسکتا ہے۔ اس کے لیے یورپی عوام میں پہلے سے جاری اسرائیلی مصنوعات کے بائیکاٹ کو اور بھی بہتر منظم کرنا ہوگا۔ عوام کو فلسطین کی تاریخ سے آگاہ کرنا ہوگا۔ اسرائیل کے ظلم و ستم اور فلسطینی نسل کشی سے مسلسل باخبر رکھنے کی بھی ضرورت ہوگی۔ یونینز ایک راست اقدام یوں کرسکتی ہیں کہ جہاں اسلحہ اور گولہ بارود بن رہا ہے اور جہاں سے دیگر مصنوعات تیار کر کے اسرائیل بھیجی جاتی ہیں، وہاں ان کی پیداوار کا بائیکاٹ کیا جائے، جو برآمدی سامان اسرائیل جانے کے لیے تیار ہو، بندرگاہوں اور پورٹس پر ان کا کارگو بائیکاٹ کیا جائے۔

ان یکجہتی یونینز اور موومنٹس میں یکجہتی اور اتحاد پیدا کرنے پر زور دینا ضروری اور مفید ہے۔ یہ ایسے اقدامات ہیں جو علامتی بائیکاٹ کو عملی طور پر مؤثر تحریک کی شکل دے سکتے ہیں۔ جو بھی سسٹم امن نوعیت کی سرگرمیوں میں رکاوٹ بن رہے ہوں، ان کا بھی سدباب کیا جاسکتا ہے۔ اسرائیل کو مزید نسل کش حملوں سے روکا جاسکتا ہے۔ اٹلی کے مزور ستمبر میں بہت کامیابی سے یہ کارنامہ سرانجام دے چکے ہیں۔ انہوں نے دیگر یورپی ملکوں کی لیبر یونینوں کو اپنی کامیابی سے راستہ دکھایا ہے۔ انہوں نے جو قومی تحریک اٹلی میں شروع کی، وہ مزید علاوقوں تک پھیلائی جاسکتی ہے۔

اسرائیل کی نسل کشی کی جنگ قبضہ ریاست کی قبضہ پالیسی ہے۔ وہ فلسطین کے پورے کے پورے حصوں کو اپنی نوآبادیات میں تبدیل کر رہا ہے۔ اس کے یورپ اور شمالی امریکہ کی کارپوریشنوں اور اداروں سے روابط پر ضرب لگانے کی ضرورت ہے۔ یہ کوئی بھاری پتھر نہیں ہے جسے چوم کر رکھ دیا جائے۔ یہ بالکل ممکن ٹاسک ہے۔ یہ کارپوریشنیں ان ممالک کے لوگوں کو ملازمت دیتی ہیں، کارکنوں کا مختلف طریقوں سے استحصال کرتی ہیں۔ ان کے معاوضوں میں کمی اور کٹوتیاں کرتی ہیں، ملکی سطح پر وہ ایسے لابنگ کام کرتی ہیں جن سے اپنے منافع کو بڑھانے کے لیے ڈی ریگولیشن پر زور دیتی ہیں۔ دوسری طرف وہ اسرائیل کی مدد کرتی ہیں تاکہ وہ نسل کشی کی جنگ جاری رکھے اور ان کی مصنوعات فروخت ہوتی ہیں۔ ایسی لابی حکومتوں نے اسرائیل کی حمایت جاری رکھی ہوئی ہے۔ ان کے بنائے ہتھیار اسرائیل فلسطینیوں پر استعمال کرتا ہے۔ اسرائیل کو اسی کام کے لیے مختلف ٹیکنالوجیز دی جارہی ہیں جن کو فلسطینیوں پر ٹیسٹ کیا جاتا ہے۔ فلسطینیوں کی نگرانی کی جاتی ہے، ان کے خلاف ڈیٹا جمع کیا جاتا ہے اور ان معلومات کو پھر نسل کشی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے سالیڈیریٹی تحریکوں کا ساتھ دینا بہت اہم ہے تاکہ وہ تمام نسل پرست حکومتوں کے خلاف منظم ہوکر ان کے لیے یہ ظلم ناممکن بناتی رہیں۔ اسرائیل کی سپلائی چین توڑنے پر کام کرنا ہوگا۔ ان کارپوریشنوں اور اداروں کو کسی نہ کسی طرح جواب دہ بنانا ہوگا۔

میڈیا رپورٹ: ابوعبداللہ

سڈنی میں یہودیوں کے قتل کا واقعہ

Antisemitism اور Semitism صہیونیت کے دو ایسے نعرے یا دعوے ہیں جن سے پوری دنیا کو بلیک میل کیا جاتا ہے۔ صہیونیت کا خواب ہے کہ ان دو نعروں اور دعوؤں سے دنیا کو ہمیشہ کے لیے اپنے مذموم مقاصد کے بے بنیاد نوآبادیاتی ایجنڈے کا غلام بنایا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے قابض رہنے کے تصور اور فلسطین کی آزادی مستقل سلب کیے جانے کا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ امریکہ، برطانیہ، کینیڈا اور کئی مغربی ممالک اب بھی اس بے بنیاد نوآبادیاتی قابض نظریے کے خریدار بننے کو تیار رہتے ہیں۔ اس روش میں اسرائیل اور صہیونیت کی مسلسل ہٹ دھرمی اور امریکی مقاصد کے لیے اس کے استعمال ہونے سے خاصی کمی کردی ہے۔ آسٹریلیا میں ہونے والے سڈنی بندرگاہ پر قتل عام کے واقعہ کو فوری طور پر اسرائیل کے نفسیاتی مریض اور مستقل بیمار وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو نے اس بات سے جوڑ دیا ہے کہ آسٹریلیا نے فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا تھا، اس کے ردعمل میں سڈنی کی بونڈی بندرگاہ پر سیاحوں کے قتل عام کا یہ واقعہ پیش آیا ہے۔

آسٹریلیا کے وزیر اعظم انتھونی البانیز نے نیتن یاہو کے اس دعویٰ کو ایک فوری طور پر بلائی گئی پریس کانفرنس سے خطاب میں مسترد کردیا ہے کہ دونوں معاملات میں کوئی بھی تعلق ہے، تھا یا ہوسکتا ہے۔ دونوں الگ معاملات ہیں۔ البانیز نے اپنے فوری ردعمل میں کہا کہ ”نہیں، ہرگز نہیں، دنیا بھر کی ریاستوں کی بہت بڑی اکثریت اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ آج بھی فلسطین ایک حقیقت ہے، سچائی ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ مشرق وسطیٰ میں امن کا راستہ کوئی ہے تو وہ یہی ہے کہ اسے تسلیم کرلیا جائے۔

سڈنی بندرگاہ کے واقعہ میں 15 یہودی مارے گئے جب کہ کافی تعداد میں زخمی ہوئے۔ سب نے اس واقعہ کی مذمت کی۔ دو مقامی افراد نے یہودیوں کا ایک مقامی تہوار مناتے ہوئے وہاں جمع ہوکر اسے منانے کی سرگرمیوں کا اہتمام کیا تھا جس پر فائرنگ کا یہ واقعہ پیش آیا۔ پولیس نے دونوں افراد پر فائرنگ کی۔ ان میں سے ایک زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے مارا گیا۔

البانیز نے اپنے ابتدائی ردعمل میں نیتن یاہو کے لگائے الزامات کو اہمیت نہیں دی۔ نیتن یاہو نے الزام لگایا تھا کہ کمزوری سے ایک اور کمزوری جنم لیتی ہے اور خوش آمدانہ پالیسی سے نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

البانیز نے اپنے ردعمل میں کہا کہ ”یہ موقع ہمیں قومی طور پر مزید یک جہتی کا پیغام دیتی ہے۔ ہمیں مزید ایک دوسرے کے قریب ہونے کی ضرورت ہے۔ ہمیں یہودی برادری کو تحفظ کا احساس دلانا ہے جو سخت حالات سے گزر رہی ہے۔ میرا فرض ہے کہ یہ واضح کردوں کہ آسٹریلیا پوری طرح سے اپنی مقامی یہودی برادری کے ساتھ کھڑا ہے۔

آسٹریلیا اور اسرائیل کے درمیان اس وقت سے شدید کش مکش کی کیفیت ہے جب

آسٹریلیا کے مقبوضہ فلسطین میں سفارت کاروں کے ویزے منسوخ کر دیے تھے۔
اسرائیل کے اس اقدام کو آسٹریلوی وزیر خارجہ پینی وانگ نے ایک غیر منصفانہ اور غیر ضروری اقدام قرار دیا تھا۔ یاد رہے کہ غزہ میں فلسطینیوں کی مسلسل نسل کشی کی اسرائیلی جنگ کے بعد آسٹریلیا نے فلسطین کو خود مختار ریاست تسلیم کرنے کا اعلان کیا تھا۔

آسٹریلیا کی حکومت نے اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے قرار دیا ہے کہ دنیا اس وقت ایک ایسی مربوط بین الاقوامی کوشش کر رہی ہے کہ دو ریاستی فارمولا قابل عمل بنانے کے لیے ہر ممکن اور قابل عمل اقدام کیا جائے، اسرائیل کے غزہ میں خونی اور ظالمانہ اقدامات کو ہر صورت روکا جائے، وہاں انسانیت کے خلاف ہونے والے لامتناہی سلسلے کا خاتمہ کیا جائے جس کی وجہ اسرائیل کی ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اسرائیل کا یہ دعویٰ اب بے بنیاد ثابت ہو چکا ہے کہ وہ اپنے یرغمالیوں کی ہر ممکن رہائی کے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ اس کے یرغمالی کب کے رہا ہو چکے ہیں لیکن وہ مخصوص توسیع پسندانہ عزائم کے پیش نظر نسل پرستی کی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔

یاد رہے کہ نیتن یاہو نے دعویٰ کیا تھا کہ سڈنی واقعہ دہشت گردی کی حوصلہ افزائی ہے۔ اسرائیل میں انتخابات ایک سال کے اندر ہونے والے ہیں۔ وزیر اعظم نیتن یاہو کرپشن کے متعدد مقدمات میں عدالتوں کو مطلوب ہیں اور اس وقت اسرائیلی سیاسی تاریخ میں سخت گیر دائیں بازو کے اتحاد کی قیادت کر رہے ہیں، اپنی سیاسی محاذ پر سخت چیلنجز کا سامنا ہے۔ انہوں نے اسرائیلی حکومت کی طرف سے آسٹریلیا پر Antisemitism کے الزامات عائد کیے ہیں۔ ان الزامات میں نیتن یاہو نے کہا ہے کہ اب ہم آسٹریلیا میں اپنے لوگوں کی سلامتی کے بارے میں فکر مند ہیں۔ ان کی سلامتی کو خطرات کا سامنا ہے۔ ان حالات میں ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔ ہم ان لوگوں سے لڑیں گے جو ہمیں ختم کرنا چاہتے ہیں۔

انتھونی البانیز آسٹریلیا میں بائیں بازو کی وسطی لیبر پارٹی کی قیادت کر رہی ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس واقعہ پر ان کی حکومت ایسے تمام اقدامات کرے گی جن کی ضرورت ہے۔ ایک پریس بریفنگ میں البانیز نے ان اقدامات کی تفصیل بیان کی جو اس واقعہ کے بعد ان کی حکومت لے رہی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہم نفرت پر مبنی تقاریر کی اجازت نہیں دیں گے۔ ہم تشدد کی کارروائیوں کو مستقبل میں روکنے کے ساتھ ساتھ نازی ازم کی بھی مخالفت کرتے رہیں گے۔ انہوں نے اس خیال کا اظہار بھی کیا کہ یہودی کمیونٹی کی سلامتی کے لیے فنڈنگ میں اضافہ کیا جائے گا۔ آسٹریلیا میں گن لاء کو مزید سخت کیا جائے گا۔ ہمارے ہاں پہلے ہی دنیا بھر کے مقابلے میں گن کلچر پر زیادہ سخت پابندیاں ہیں۔

آسٹریلوی حکومت نے گزشتہ سال ایک نمائندے کا تقرر کر کے اس کی ذمہ داری لگائی تھی کہ یہودی عبادت گاہوں پر نفرت پر مبنی نعروں کے لکھے جانے کے سلسلے کو روکنے کے اقدامات کرے، آسٹریلیا میں یہودی بزنس کے خلاف اقدامات کو ہر ممکن طور پر روکے اور اتوار کے واقعات کی طرز پر ہونے والے واقعات کا سدباب کرے۔ انہوں نے اسے نوشتۂ دیوار قرار دیا۔ مقرر کیے گئے نمائندے جیلین سیگالی نے آسٹریلیا کے ریڈیو کو اسی سلسلے میں کیے گئے اقدامات پر مشتمل انٹرویو بھی دیا۔

آسٹریلیا میں یہودی راہنماؤں نے مزید اقدامات پر زور دیا ہے۔ انہوں نے یہود مخالف Antisemitism رویوں کو بنیاد بنا کر کہا ہے کہ اس نوعیت کے واقعات اب تیزی سے سر اٹھانے لگے ہیں اور اب براہ راست آسٹریلوی حکومت کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں۔ اس سلسلے کو اب روکنے کی ضرورت ہے۔ یہ واقعات اب بار بار رونما ہو رہے ہیں، حالاں کہ اپنی نوعیت کا یہ پہلا اور منفرد واقعہ ہے۔ ایسے بیانات لیوی وولف اور سڈنی سناگاگ کے ربی کی طرف سے بھی جاری کیے گئے ہیں۔

آسٹریلیا کی قدامت پسند لیبر پارٹی نے بھی اسی نوعیت کے الزامات عائد کیے ہیں اور کہا ہے کہ آج سے ہی تمام معاملات کو تبدیل کرنا ہوگا۔ ہم دیکھیں گے کہ حکومت کیا ردعمل ظاہر کرتی ہے۔ سوزن لیوی نے ایک پریس کانفرنس میں البانیز سے مطالبہ کیا ہے کہ سیگال نے جولائی میں جو رپورٹ پیش کی تھی، اس میں تجویز کردہ تمام اقدامات پر فوری عمل کیا جائے۔ یہود مخالف رویوں کو برائی قرار دیا جائے۔ اور اسے ایک لعنت قرار دیا جائے۔ سیگال نے کہا ہے کہ اس کی حکومت یہودی کمیونٹی کی سلامتی کے لیے مزید اڑھائی کروڑ آسٹریلوی پاؤنڈ خرچ کرے گی۔

اس واقعہ کے بعد آسٹریلوی راہنماؤں نے زور دے کر کہا ہے کہ نیتن یاہو حکومت کے بیانات اور اقدامات کو یہود مخالف رویوں سے یکسر الگ کر کے دیکھا جائے۔ البانیز نے زور دے کر کہا ہے کہ دنیا کے لیڈر اس وقت اسرائیل اور اس کے غزہ میں اقدامات کی مذمت کر رہے ہیں۔ اس عمل کو اسرائیل میں کس طرح دیکھا جاتا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کسی طرح بھی یہود مخالف رویے نہیں ہیں۔

آسٹریلیا کے نمائندے سیگال نے یہ ضرور کہا ہے کہ غیر ملکیوں کو ویزہ جاری کرتے ہوئے یہ دیکھا جائے گا کہ وہ یہود مخالف تشدد کا حصہ تو نہیں بنیں گے۔

اسرائیل کا نور شمس میں فلسطینی گھروں کو تباہ کرنے کا منصوبہ

مغربی کنارے کے مختلف اور متعدد علاقوں میں فلسطینی گھروں کو خالی کرانے کے منصوبے پر اسرائیل نے عمل درآمد شروع کر دیا ہے۔ اس منصوبے کے مطابق گھروں کو نشانات لگائے جا رہے ہیں۔ ان گھروں کو گروپ میں بلڈوز کر دیا جائے گا۔ اس کے لیے مغربی کنارے کے علاقہ نور شمس کے 25 گھروں کو گرانے کا باقاعدہ اعلان کیا گیا ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے خبردار کیا ہے کہ اس منصوبہ کے آغاز میں 100 گھروں کو مسمار کیا جا رہا ہے۔ ان گھروں کے مکینوں کو ایسے پنجروں میں بند کر دیا جائے گا جو اس مقصد کے لیے تیار کیے گئے ہیں۔

اس ہفتے (15 دسمبر سے) ان گھروں کو مسمار کرنے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ یہ اسرائیل کی فلسطینیوں کی نسلی صفائی (Genocide) اور Ethic Cleaning منصوبوں کا طے شدہ پروگرام ہے۔ اس کام کی نگرانی اسرائیل کے وزیر خزانہ اور انتہا پسند فاشسٹ راہنما بزازیل سموٹریش کر رہے ہیں۔ ان منصوبوں کا مقصد ٹونی بلیئر کے تجویز کردہ نام نہاد اور ناجائز صنعتی منصوبوں پر عمل درآمد ہے۔ ان منصوبوں پر عمل کرنے کے لیے فلسطینیوں کے گھروں کو مسمار کیا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ بظاہر یہ بتائی جا رہی ہے کہ یہاں فلسطینی جنگجو پناہ لیتے ہیں۔

نور شمس کا علاقہ طولکرم کے قرب و جوار میں واقع ہے۔ یہاں کے گورنریٹ کے گورنر عبد اللہ کمال نے بیان دیا ہے کہ انہیں اس منصوبے کی اطلاع دی گئی ہے کہ یہ تخریبی کارروائی ان کے گورنریٹ میں کی جا رہی ہے۔ انہوں نے خبر رساں ایجنسی اے ایف پی کو ایک بیان میں اس بارے میں آگاہ کیا ہے۔ اس پروگرام پر اسرائیل کی وزارت دفاع کا یونٹ COGAT عمل درآمد کرے گا۔

طولکرم کے پاپولر کمیٹی کے سربراہ فیصل سلامہ نے اپنے کیمپ جو نور شمس کے قریب ہے، سے اطلاع دی ہے کہ گھروں کو مسمار کرنے کے احکامات سے ابتدائی طور پر 100 گھروں کو نشان زد کیا گیا ہے جس کا معانی یہ ہے کہ آئندہ 15 دن سے ایک ماہ کے دوران میں ان گھروں کو گرا دیا جائے گا اور ان کی زمین مکمل طور پر بلڈوز کر دی جائے گی۔ یہاں کے مکینوں کو لوہے کے پنجروں میں رکھا جائے گا۔

اسرائیل پروگرام آئرن وال کے تحت ان کارروائیوں کو منظم کر رہا ہے۔ ان کا بنیادی ہدف یہ ہے کہ فلسطینی آبادی کو ہر جگہ بے گھر کیا جائے۔ یہ پروگرام اس سال جنوری میں شروع کیا گیا تھا۔ غزہ کے حالات کی وجہ سے دنیا کی توجہ مغربی کنارے میں اسرائیل کی ان معاندانہ کارروائیوں پر بہت کم ہے۔ اس سے صہیونی ریاست کو مواقع مل رہے ہیں کہ وہ مغربی کنارے میں آباد فلسطینی آبادی کو بے گھر اور علاقہ بدر کر رہی ہے۔ اس کے لیے جواز یہ پیش کیا جا رہا ہے کہ نور شمس اور اس طرح کے علاقوں میں مسلح گروہ موجود ہیں۔ ان کا خاتمہ کرنے کے لیے ان تمام گھروں کو مسمار کیا جا رہا ہے۔

اسرائیل کے اس دعویٰ کے برعکس انسانی حقوق کی تنظیموں اور اداروں کی رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ یہ دعویٰ درست نہیں ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اسرائیل مقبوضہ مغربی کنارے میں زیادہ سے زیادہ زمین پر قبضہ کرنے کی پالیسی پر عمل کر رہا ہے۔ وہ یہاں سابق برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر کے پروگرام کے تحت وسیع صنعتی منصوبے شروع کر رہا ہے۔ ان کے لیے ایسے علاقوں میں کام کیا جا رہا ہے جہاں زیادہ فلسطینی آبادی ہے۔ جو علاقے خالی پڑے ہیں، وہاں یہ منصوبے نہیں شروع کیے جا رہے ہیں۔ اسی پروگرام کے تحت گزشتہ سال مغربی کنارے کے 1500 گھروں کو بلڈوز کر دیا گیا تھا۔ اس طرح سے گرائے گئے گھروں سے اندازہ ہے کہ 32,000 فلسطینی بے گھر کر دیے گئے تھے۔ یہ ایسے وقت میں کیا گیا جب دنیا کی توجہ غزہ کی طرف مرکوز تھی۔ اس لیے ان ظالمانہ اقدامات کا کم نوٹس لیا گیا تھا۔

فلسطینی اور انسانی حقوق کی دیگر تنظیموں کا کہنا ہے کہ یہ ایک ظالمانہ پروگرام ہے۔ اس کے تحت پہلے مرحلے میں گھروں کو مسمار کیا جاتا ہے۔ پھر دوسرے مرحلے میں بے گھر افراد کو آہنی پنجروں میں قید کر دیا جاتا ہے۔ یہ پنجرے دراصل بوسنیا میں بنائے گئے کنسنٹریشن کیمپوں کی طرز پر بنائے جا رہے ہیں۔ ان میں قید فلسطینیوں کی آمد و رفت بہت محدود کر دی جاتی ہے۔ وہ اپنے کاروبار، زرعی فارموں اور کھیتوں سے محروم کر دیے جاتے ہیں۔ ان پر زیادہ تر سیٹلر یہودی آباد کر دیے جاتے ہیں یا یہ زرعی زمینیں اور کاروبار ان آبادکار یہودیوں کے حوالے کر دیے جاتے ہیں۔

دسمبر کے دوسرے عشرے میں نور شمس آبادی کے مکینوں نے ان اقدامات کے خلاف احتجاجی مظاہرے کیے۔ یہ مظاہرے اسرائیل کی آرمرڈ گاڑیوں کے سامنے کیے گئے تاکہ انہیں واپس نور شمس کیمپ کی طرف جانے سے روکا جا سکے۔ ان مکینوں نے گھروں کو مسمار کرنے کے احکامات پر احتجاج کیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں اپنی زمینوں اور گھروں کو واپس جانے دیا جائے۔

فلسطینی قومی کونسل کے سربراہ روحی فتوح نے کہا کہ گھروں کو مسمار کرنے کے احکامات فلسطینیوں کی نسل کشی اور نسلی صفائی کرنے کا منصوبہ ہے۔

ہولوکاسٹ کے ایک پروفیسر امر بارطوف نے الجزیرہ کو بتایا ہے کہ اسرائیل کا فلسطینیوں سے مغربی کنارے میں رویہ سراسر غیر انسانی ہے۔ ان پالیسیوں سے اسرائیل فلسطینی آبادی کو سماجی موت دے رہا ہے۔ ”سماجی موت“ کی اصطلاح اس وقت استعمال کی گئی تھی جب 1930ء کے عشرے میں جرمنی میں یہودیوں کا نازی فوج قتل عام کر رہی تھی۔ یہی کارروائی اسرائیل کے صہیونی فلسطینی آبادی کے خلاف کر رہے ہیں۔

مغربی کنارے میں فلسطینی آبادی کے خلاف اقدامات پر دنیا کی تنظیموں نے نوٹس لیتے ہوئے کہا ہے کہ ان کارروائیوں کا مقصد فلسطینی آبادی کو کنٹرول کرنا ہے۔ اس آبادی کو غیر انسانی اقدامات سے ان کی احتجاج کی صلاحیت کو مفلوج کرنا اور آبادکار یہودیوں کو ان پر مسلط کرنا ہے۔ مسمار کیے جانے والے گھروں میں سے ایک چار منزلہ گھر کی عائشہ دمہ کا کہنا ہے کہ ہم 30 افراد اس گھر میں رہ رہے ہیں۔ ہمیں بھی اس گھر کو خالی کرنے کے احکامات دیے گئے ہیں۔ عائشہ نے بتایا کہ جس دن اس گھر کو گرایا جا رہا تھا، کوئی ہماری بات سننے نہیں آیا اور نہ ہی کسی نے ہمارے ساتھ ہونے والے اس ظلم پر احتجاج ہی کیا۔

عائشہ نے بتایا کہ اس کے سارے بھائیوں کے گھروں کو گرایا جا رہا ہے۔ ہمیں اس کی کوئی وجہ بھی بتائی نہیں جا رہی۔ میرے بھائی اب گلیوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔

یاد رہے کہ 1948ء کے نکبہ کے بعد نور شمس اور اس طرح کی دوسری آبادیاں وجود میں آئی تھیں۔ اب یہاں بہت بڑی آبادیاں بن گئی ہیں۔ ان میں رہنے والوں کو مہاجر کہا جاتا ہے۔ اب اس مہاجر درجے کو ختم کر کے ہمارے گھروں کو مسمار کیا جا رہا ہے۔

صورت حال: لمیس تغرید

”اسرائیلی اپنے ہی ملک سے فرار ہونے پر مجبور“

واشنگٹن پوسٹ نے 23 نومبر کی اشاعت میں رپورٹ شائع کی ہے کہ سینکڑوں ہزاروں اسرائیلی ملک سے فرار ہو رہے ہیں۔ ان کے اسرائیل سے بھاگنے کا سلسلہ دو سال سے جاری ہے۔ ان کی زیادہ تر تعداد نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ وہ اپنے مستقبل کو غیر محفوظ خیال کر رہے ہیں۔ یہ تعلیم یافتہ اور ہنرمند نوجوان ہیں۔ انہیں خطرہ ہے کہ ان کا معاشی مستقبل خطرے سے دوچار ہے اور انہیں شدید معاشرتی مضمرات کا اسرائیل میں رہنے کی صورت میں سامنا کرنا ہوگا۔

اوراھام بینن فیلڈ ان نوجوانوں میں سے ایک ہے۔ وہ اسرائیلی سیاست سے سخت نالاں ہے۔ اس نے حماس کے خوف سے ملک فرار ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس نے تب سے اسرائیل چھوڑنے کے منصوبے بنانے شروع کر دیے تھے۔ اسے فوری طور پر آرمی ریزرو ڈیوٹی کے لیے طلب کر لیا گیا تھا۔ اس کی راتیں نیند سے کوسوں دور گزرنے لگیں۔ اسے اپنے ان بھائیوں کی فکر کھائے جا رہی تھی جو پہلے ہی لازمی فوجی ڈیوٹی پر لے جائے گئے تھے۔ اوراھام کو ان کی غیر موجودگی میں اپنے پروگرام ملتوی کرنا پڑے۔

اب جب کہ اسرائیل اور حماس میں جنگ بندی کا معاہدہ ہو گیا ہے، وہ پھر سے سامان پیک کر رہا ہے تاکہ کسی دوسرے ملک چلا جائے۔

اس کا کہنا ہے کہ جوں کی سائرن ہی آواز آتی ہے، گویا کہ جنگ کا بگل بج اٹھتا ہے، کوئی ایرانی میزائیل آتا محسوس ہوتا ہے۔ سب زیر زمین پناہ گاہوں کی جانب بھاگ اٹھتے ہیں۔ ہمیں یوں لگتا ہے کہ غزہ اور لبنان میں ہمارے بھائی مارے جائیں گے۔ پھر ہماری باری ہے۔ یہ سب بہت تیزی سے ہوتا ہے، سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملتا۔ پھر سوال ابھرتا ہے کہ آیا اسرائیل کو درست سمت میں لے جایا جا رہا ہے یا پھر اپنے سیاسی مقاصد پورے کیے جا رہے ہیں؟

گزشتہ دو سالوں میں دسیوں ہزاروں اسرائیلی ملک چھوڑ چکے ہیں۔ 2023ء کے موسم گرما میں ان کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ وزیر اعظم نیتن یاہو کی تباہ کن پالیسیوں نے ملک کے ہر سیکٹر کو بری طرح متاثر کیا۔ ان کی حکومت بھی اندھا دھند فلسطینیوں کو مارنے پر لگی رہی۔ اسرائیل گزشتہ 17 سالوں سے خونی مہمات میں ان کا قتل عام کرتا رہا۔

اسرائیل کے قومی ادارہ شماریات کے مطابق ملک کے 8 کروڑ عوام میں سے 80 ہزار شہری حال ہی میں ملک سے چلے گئے ہیں۔ 2024ء میں اسرائیل کے ایک کروڑ لوگوں میں سے بڑی تعداد نوجوانوں کی ملکی پالیسیوں سے نالاں ہو کر بیرون ملک چلی گئی ہے۔ اتنی ہی تعداد میں اسرائیلی ملک سے جانے کی تیاریوں میں ہیں۔

بینن فیلڈ کا کہنا ہے کہ دو سال پہلے وہ گلی محلوں میں ہونے والے مظاہروں میں سرگرمی سے حصہ لیتا رہا، اسرائیلی جھنڈے لہراتا اور دوسرے مظاہرین کے ساتھ مل کر نعرے لگاتا کہ نیتن یاہو اور ان کی حکومت کی پالیسیاں ملک تباہ کر رہی ہیں۔ ہم حکومت کو خبردار کرتے کہ امریکہ ہمیں اسلحہ دے کر خود آرام سے بیٹھا ہے اور ہمیں مروا رہا ہے۔ یہ کہاں کی جمہوریت اور جمہوری شناخت ہے۔

اگلے سال کے بارے میں بینن فیلڈ نے کہنا شروع کر دیا کہ وہ اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ سوئٹزرلینڈ چلا جائے گا۔ وہ وہاں پوسٹ ڈاکٹرل ڈگری میں داخلہ لے کر لوزین سے آسٹروفزکس میں اپنی تعلیم مکمل کرے گا۔ وہ بہت سے دوسروں کی طرح چلے جانا چاہتا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہاں اس کا قیام کس قدر طویل ہوگا۔

اسرائیل کے ماہرین عمرانیات اور ڈیموگرافک سکالرز کہتے ہیں کہ ہجرت کرنے والے ان بہت سے نوجوانوں کے پاس اعلیٰ تعلیم ہے، وہ بہت زیادہ کما رہے ہیں، سیکولر ہیں، ان کا رجحان زیادہ تر بائیں بازو کی طرف ہے۔ انہیں شدید فکر لاحق ہے کہ حکمران ملک کو کس طرف لے جا رہے ہیں۔ ان کی اکثریت ایسی ہے جس نے حال ہی میں کمپنیوں میں جاب شروع کی ہے۔ ان میں ڈاکٹرز ہیں اور بہت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان

میں بہت سے نوجوان جوڑے ہیں۔ ان میں ابھی نوجوان خاندان بنا رہے ہیں۔

ان سب کے یوں اسرائیل سے چلے جانے کے اثرات تباہ کن ہوں گے۔ اس کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی اثرات کا حکمرانوں کو اندازہ ہی نہیں، وہ فقط فلسطینیوں کو مارنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ ان منفی اثرات کو دور کرنے میں کئی عشرے درکار ہوں گا۔

دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی برین ڈرین ہوتا ہے۔ لیکن جو کچھ اسرائیل میں ہو رہا ہے، وہ بہت یونیک اور خوفناک ہے۔ تل ابیب یونیورسٹی کے پروفیسر عطالی ایطار کا کہنا ہے کہ ملک بھر میں صرف 11 فیصد لوگ لیبر فورس میں ہیں۔ یہ لوگ ملک کے کل ٹیکس کا 33 فیصد دینے پر مجبور ہیں۔ اس طرح سے برین ڈرین ہوگا، زیادہ آمدن والے ملک سے چلے جائیں گے تو ملک کے مزدور طبقہ پر دباؤ بہت بڑھ جائے گا۔ تیزی سے بڑھتی مہنگائی عفریت بن جائے گی۔

ڈیفنہ پیتریشی نے Settled کے نام سے ادارہ کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ ایک ایجنسی ہے جو اسرائیلیوں کو اپنی رہائش نئے مقام پر لے جانے میں مدد دیتی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ انہیں اس قدر زیادہ درخواستیں موصول ہو رہی ہیں کہ وہ پریشان ہوگئی ہے۔ ہر کوئی کہہ رہا ہے کہ ہمیں یہاں سے نکالو، ہمیں بہت جلدی ہے۔

غزہ جنگ سے پہلے لوگ مستقبل بنانے کے لیے بیرون ملک جایا کرتے تھے اور پھر واپس آجاتے تھے۔ لیکن اب صورت حال مختلف ہے۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ ملک صرف جنگیں لڑنا چاہتا ہے، امریکہ ہمیں لڑا رہا ہے، اس کے مقاصد پورے ہو رہے ہیں۔ یہ ایک گھن چکر ہے۔ یہ ختم ہونے والا نہیں ہے۔ یہاں نہ سیاسی استحکام آئے گا اور نہ کبھی امن ہوگا۔ یہاں سائرن بجتے رہیں گے اور ایرانی میزائیل گرتے رہیں گے۔

لوگ ایران کے ساتھ 12 روزہ جنگ کو بھول نہیں پائے۔ ہزاروں میل دور سے ایران نے تل ابیب کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ڈیفنہ کے بہت سے کلائنٹس نے اس سے کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ انہیں اس وقت تک بیرون ملک ہی رہنے دیں جب تک مکمل امن نہیں ہو جاتا یا کم از کم اگلے سال ہونے والے الیکشن تک ان کے باہر قیام کا انتظام کریں۔

جو اسرائیلی ملک سے باہر ہیں وہ اپنے اداروں سے کہہ رہے ہیں کہ ہمیں طویل رخصت دے دیں۔ ہمیں انتخابات کے نتائج دیکھ لینے دیں، نیتن یاہو ہار جائے تو ہم واپسی کا سوچیں گے۔ اس دوران میں وہ اتنی رقم سے، جو ان کے پاس ہے، اچھی تعلیم اور ملازمت حاصل کرلیں گے۔ اس وقت تک ہم سکون میں ہیں، شہری زندگی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

اس وقت 2 لاکھ سے زیادہ اسرائیلی صرف یورپ میں رہ رہے ہیں۔ اس دوران میں ان کی اکثریت نے یورپی یونین کے کسی دوسرے ملک کا پاسپورٹ حاصل کرلیا ہے۔ ان میں جرمنی اور پولینڈ سرفہرست ملک ہیں۔ ان ممالک میں ہولوکاسٹ سے بچ رہنے والوں کی اولادوں کو شہریت آسانی سے مل جاتی ہے۔ سپین اور پرتگال کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ انہوں نے 2015ء میں یہودیوں کے لیے شہریت کھول دی تھی۔ ان کے آباء اجداد کو 15 ویں صدی میں یہاں سے زبردستی نکال دیا گیا تھا۔ لزبن اور برلن میں یہودی کمیونٹیاں پہلے سے موجود ہیں۔ یہاں نئے آنے والے یہودیوں کو خوش آمدید کہا جاتا ہے اور بڑی آمدن والی ملازمتیں بھی دی جاتی ہیں۔ ان کو لمبی لیز پر اپارٹمنٹس آسانی سے مل جاتے ہیں۔ پولینڈ میں ان کی تعداد 50 ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ برلن میں ان کی تعداد 38 ہزار ہو چکی ہے۔

بعض اسرائیلی ملک چھوڑتے ہوئے ہچکچاہٹ سے دوچار ہیں۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں رہ رہے ہیں۔ بعض یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ ایک دفعہ اسرائیل سے نکلے تو دوبارہ یہاں کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ یہ اب رہنے کے قابل ملک نہیں رہا۔ وہ سوچتے ہیں کہ وہ اکیلے جائیں، پھر سوچتے ہیں کہ سارے خاندان کو چلے جانا چاہیے۔

ایک طرف اسرائیل سیٹلر یہودیوں کو باہر سے جمع کر کے لا رہا ہے، مغربی کنارے میں ان کے لیے بستیاں اور سوسائٹیاں بنا رہا ہے اور دوسری طرف اس کے گنجان آباد شہر خالی ہو رہے ہیں۔ ایرانی میزائیل اور مسلسل جنگی جنون زدہ حکومتیں ان کے قیام کو مشکوک بنا رہی ہیں۔ انہیں ثقافتی اور تہذیبی زندگی خطرے میں نظر آ رہی ہے۔ کسی گھر سے ایک فرد بھی چلا جائے تو پورا گھر اس کی کمی محسوس کرتا ہے۔

جو لوگ دنیا سے ہجرت کر کے آتے ہیں، انہیں عبرانی زبان میں اولم (Olim) کہتے ہیں۔ جو ہجرت کر کے اسرائیل سے چلے جاتے ہیں انہیں یورڈیم (Yordiem) کہا جاتا ہے۔ جب باہر جانے والے تعداد میں بڑھ جائیں تو انتخابی نتائج سیاسی جماعتوں کے لیے بہت ٹائٹ ہو جاتے ہیں۔ مقابلے سخت ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باہر سے آنے والوں کو بہت جلد ووٹ کا حق نہیں ملتا۔

اسرائیلیوں کو ہمیشہ برین ڈرین سے خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ یہ خطرہ حماس سے جنگ کے بعد سے زیادہ بڑا ہو گیا ہے۔ جن کے نوجوان لڑنے غزہ گئے تھے، ان کے لیے حالات زیادہ سنگین ہونے گئے ہیں۔ اب میڈیا سوالوں کی بوچھاڑ کرتا رہتا ہے۔

ڈیکل شالیوف کا تعلق بیری (Beeri) کابوتز سے ہے۔ یہ غزہ کا سرحدی علاقہ ہے۔ ڈیکل کہتی ہیں کہ مجھے جلد ہی یقین ہو چلا تھا کہ اب یہاں رہنا ممکن نہیں ہوگا۔ وہ 15 گھنٹے اپنے تین بچوں کے ہمراہ چھپ کے رہیں۔ حماس کے سینکڑوں جنگ جوان کے اردگرد موجود تھے۔ انہوں نے سو سے زیادہ فوجی مار دیے تھے لیکن ہمیں کچھ نہیں کہا۔ وہ 32 افراد کو یرغمال بنا کر غزہ لے گئے تھے۔

وہ کہتی ہیں کہ حماس کے جنگ جو ہمارے۔ اردگرد موجود رہے۔ ہمیں کچھ نہ کہا۔ مجھے یقین ہوگا ی کہ اب ہم محفوظ ہیں۔ یہ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔ وہ کہتی ہیں کہ میری طرح کے بہت بڑی تعداد میں اسرائیلی نئے مقامات پر چلے گئے۔

حماس والوں نے ہم میں سے ہر ایک کو یرغمال نہیں بنایا۔ جوان سے لڑے یا الجھے، وہ انہیں ساتھ لے گئے۔ جو مارے گئے، انہیں دفن کر دیا۔ کسی کی بے حرمتی انہوں نے نہیں کی۔

مائیکل بار اور ایک آرٹسٹ اور ٹیچر ہیں۔ وہ تل ابیب سے ہیمبرگ چلے آئے تھے۔ انہیں آئے 5 ماہ ہی ہوئے تھے۔ وہ غزہ کی تباہ کن جنگ سے متاثر ہو کر یہاں آئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کا 3 سالہ بیٹا تھا۔ ان کے پاس جرمن پاسپورٹ تھا۔ ان کا ساتھی ایک ٹیک کمپنی میں کام کرتا تھا۔ اسے اجازت دی گئی کہ وہ اپنا کام جاری رکھے۔

ڈیکل کا کہنا تھا کہ جنگ نے ساری فضا تبدیل کر دی تھی۔ وہاں والدین سوال کرتے تھے کہ کیا انہیں ایک عرب استاد سے خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ قریب ہی ایک آرمی ریزرو نے اپنے کو اسی استاد کے پاس حفاظت کے خیال سے چھوڑ دیا تھا۔ با اوکا کہنا تھا کہ وہ محسوس کرتی تھی کہ اس کے پاس ہتھیار نہیں ہیں۔ لیکن عرب استاد کے پاس بھی تو کوئی ہتھیار نہیں تھے۔ پھر ہم ایک دوسرے سے خوف کیوں کھاتے۔ خوف تو ہمارے حکمرانوں نے پھیلا رکھا تھا۔ کئی دنوں تک حماس والے ہمارے اردگرد گھومتے پھرتے رہے، ان کے پاس تو اسلحہ بھی تھا۔ پھر بھی ہم محفوظ ہی رہے۔

یخ بستہ ماحول: غزہ میں طوفان باد و باراں

غزہ ان دنوں بائرن (Byron) طوفان کی زد میں ہے۔ اس کی شدت ایسی ہے کہ ریلیف کا کام کرنے والے جہاں پہنچے، وہیں رکے ہوئے ہیں۔ ان کے لیے آگے یا واپس ہونے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ غزہ میں خیمہ بستیوں کے لیے کیے گئے انتظامات تِتّر بِتّر ہو کے رہ گئے ہیں۔ نہ چھت بچی ہے اور فرش بنایا جانے والا گراؤنڈ مسلسل بارش کی نذر ہو چکے ہیں۔ نہ ہی وہاں بیٹھا یا کھڑا ہوا جا سکتا ہے اور لیٹنا تو کار لاحاصل ہے۔

فلسطینیوں کے لیے ممکن نہیں رہا ہے کہ اپنے پہلے سے ٹوٹے پھوٹے خیموں، خستہ حال ٹینٹ گھروں کو برقرار ہی رکھ سکیں۔ جب اس طوفان کا آغاز ہوا تو اسرائیل میں اس کے آثار سے قبل ہی گاڑیاں درختوں سے دور کہیں پارک کر دی گئیں مبادا تیز ہواؤں سے درخت گرے تو گاڑیاں بچ سکیں۔ گھروں میں کھڑکیوں کو محفوظ کر لیا گیا۔ ایمرجنسی نمبروں کو اچھی طرح چیک کر لیا گیا کہ وہ کام کر رہے ہیں یا نہیں۔

اسرائیل کا میڈیا طوفان سے ایک ہفتہ قبل ہی وارننگ پیغامات جاری کر رہا تھا۔ ٹی وی چینلز پروگرام نشر کر رہے تھے کہ کس شدت کا طوفان آنے والا ہے۔ لوگوں کو مختلف ذرائع سے بتایا جا رہا تھا کہ وہ کس طرح خود کو اور اپنے گھروں کو ممکنہ نقصانات اور خطرات سے بچا سکتے ہیں۔ اس طرح سے طوفان سے بچاؤ کے عملی انتظامات کیے جا رہے تھے۔

یہودی، صہیونی اور مغربی میڈیا مسلسل کہہ رہا ہے کہ یہ طوفان ایسا ہرگز نہیں ہے جسے برداشت نہ کیا جا سکے۔ یقیناً یہ طوفان ان سب کے لیے قابل برداشت ہے جن کے پکے گھر ہیں، جدید نکاسئ آب کا نظام ہے اور جن کے لیے ریاستی خدمات ہر لمحہ اور ہر وقت میسر ہیں۔ لیکن اسی آسمان تلے یہ مناظر بھی دنیا دیکھ رہی ہے کہ ہر گھر ملبے کا ڈھیر ہے، کہیں نکاسئ آب کا نظام ہے تو ٹوٹی ہوئی سڑکوں پر کسی بھی جوان فرد کی کمر سے اوپر تک طوفان کی رفتار سے بہتا پانی ہے، گندگی اور غلاظت کے ڈھیر ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ میڈیا چیخ چیخ کر بتا رہا ہے کہ بڑا طوفان تو ابھی آنا باقی ہے۔

طوفان دسمبر کے دوسرے بدھ شروع ہوا تھا۔ اس میں شدید بارشیں اور پھر جمعرات کو باقاعدہ سیلاب کی صورت حال نے غزہ کے بے گھر مکینوں کے لیے کہیں بھی ٹھہرنا اور پناہ

لینا ناممکن بنا دیا۔ پورا ہفتہ یہ صورت حال برقرار رہی۔ اسرائیل کی نسل کشی کی جنگ نے حالات بہت زیادہ ناگفتہ بہ کر دیے تھے۔ کوئی عمارت سلامت رہنے دی تھی اور نہ سیوریج کا نظام ہی سالم بچا تھا۔ ایسے میں شدید بارشیں کسی قیامت سے کم نہیں تھیں۔ سینکڑوں ہزاروں لوگ عملی طور پر سڑکوں، میدانوں اور تباہ حال پارکوں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کیمپ اکھڑ چکے تھے۔ کہیں سے تحفظ کا احساس تک نہیں ابھر رہا تھا۔ سیوریج کی بمباری سے تباہی نے کھڑے رہنا، تعفن اور گندگی کو برداشت کرنا ممکن ہی رہنے نہیں دیا تھا۔

دو مہینے کی حالیہ اور خود ساختہ جنگ بندی بھی ایک طرفہ تماشا تھا۔ گاہے گاہے بمباری جاری تھی۔ اسرائیلی فوج ایک طرف جنگ بندی پر عمل کر رہی تھی۔ دوسری طرف غزہ میں اکثریت جگہ جگہ گہرے پانیوں میں کمر تک ڈوبی ہوئی کھڑی تھی۔ یہ کیفیت دو چار گھنٹوں کی نہ تھی بل کہ دنوں پر محیط تھی۔ گویا پناہ گاہ کا تصور ہی محال تھا۔

طوفانی بارشوں نے بانس اور ٹاٹ سے بنے ٹینٹ گھروں کا بالکل صفایا کر دیا۔ ان حالات میں بھی اسرائیل نے ناکہ بندی نہ صرف جاری رکھی بل کہ ہر طرح کی اس امداد کے امکانات بھی ختم کر دیے جن میں ایسا سامان لایا جا سکتا تھا جس سے نئے خیمہ گھروں کو قائم کیا جا سکے۔ حالاں کہ اس وقت بھی غزہ کی سرحدوں پر 6500 ٹرک اس انتظار میں کھڑے ہیں جن میں نہ صرف غذائی امداد، ادویات، گھروں کی تعمیر نو کے لیے ملبہ ہٹانے کے لیے درکار سامان موجود ہے۔ ان میں ٹینٹ سازی، کمبل، گرم کپڑے اور دیگر سامان موجود ہے۔ ان کی موجودگی کے باوجود غزہ میں بچے ننگے پاؤں اور ننگے بدن پناہ کے لیے مارے مارے پھرتے رہے۔

اس وقت بیس لاکھ کے قریب فلسطینی صرف فلسطینی ہونے کی بناء پر شدید مشکلات کا سامنا کرنے پر مجبور ہیں۔ ایک زوردار بارش ان کے ٹینٹ اور شامیانے اڑا لے جاتی ہے۔ مسلسل دو سال کی بمباری نے کسی چھت کو سلامت رہنے نہیں دیا۔ کہیں کہیں چار دیواری کسی ادھوری چھت کے ساتھ موجود ہے جس کے گرنے کا خطرہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔

بارشوں کے آغاز کے ساتھ ہی اس طرح کے مناظر عالمی میڈیا کی توجہ کا مرکز بنتے گئے جن میں ٹینٹ پانی کے تیز بہاؤ میں تیرتے نظر آئے۔ والدین ننھے بچوں کو گود میں اٹھائے کہیں کھڑے اور کہیں پانی میں سے راستہ تلاش کرتے نظر آئے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اسرائیلی فوج کی آرٹلری اور فضائیہ جنگ بندی کے باوجود مختلف مقامات پر اپنی مرضی سے حملہ آور ہوتی ہے۔ اس سے زمین میں مزید گہرے گڑھے پڑتے ہیں۔ بارش کی وجہ سے اندازہ ہی نہیں رہتا کہ سڑک میں کس جگہ درست راستہ ہے اور کہاں قدم پڑتے ہی بعض اوقات موت سامنے کھڑی نظر آتی ہے۔ ہاتھوں اور ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور اچانک گرنے سے چہرے چوٹ لگنے سے خون آلود ہو جاتے ہیں۔ اس لیے زیادہ تر فلسطینی اس جگہ جم کے رہ جاتے ہیں، جہاں ان کا خیمہ تھا۔

ایک فلسطینی ماں لبنیٰ مساوہ کا کہنا ہے کہ دنیا نے ہمیں یکدم بھلا دیا ہے۔ ہمیں اسرائیل اور اس کے اتحادیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ طوفان اور آندھیوں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جنگ بندی ہوگئی ہے یا نہیں۔ یا یہ کتنی بار ہو کر ٹوٹ چکی ہے۔ اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مذاکرات ہو رہے ہیں، رک گئے ہیں۔ دوبارہ کب ہوں گے اور نہ اس سے کچھ برآمد ہوتا ہے کہ انسانی بنیادوں پر آنے والی امداد کا کیا بنا ہے۔ اگر اس امداد کو رفاہ کے بارڈر پر ہی گل سڑ جانا ہے اور ہم تک نہیں پہنچنا تو یہ آئے یا نہیں آئے، اہل غزہ کو اس کا کیا فائدہ۔ تاہم یہ ضرور احساس ہوتا ہے کہ دنیا میں کس قدر ظالمانہ عدم مساوات اور عدم انصاف کی حکمرانی ہے۔ عالمی راہنما اور برادری کی نگاہیں کسی اور طرف جمی ہیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے عرب ہمسایوں کو ہمارا احساس نہیں بل کہ وہ اس دکانیں اور جوئے خانے قائم ہوں اور دنیا پھر خاص طور پر عرب نسل کے شہزادے یہاں اپنا رنگ جمانے آئیں اور کب غزہ کو ساحلی تفریح گاہ میں تبدیل کر دیا جائے۔ ہم بے بس ضرور سہی لیکن یہ سب آسانی سے ہونے نہیں دیں گے۔ ٹرمپ اور ٹونی بلیئر نے ہمارے خواب توڑے ہیں، ہم ان کے خواب ادھیڑیں گے۔ دنیا وہ تماشا بھی ضرور دیکھے گی کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے خواب بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوں گے۔

خان یونس کی خضریٰ کہتی ہیں کہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا گیا۔ ہمارا پورا خاندان تباہ کر دیا گیا۔ ہمیں بے گھر کر دیا گیا۔ بھوک اور پیاس نے ہمارے ہاں ڈیرے جما لیے۔ ادویات کی شدید کمی نے ہمارے ہسپتالوں اور صحت مراکز کو جانوروں کے اجڑے باڑے بنا دیا۔ اب دنیا ہم سے کیا چاہتی ہے۔ جب بمباری نے ان کے گھر تباہ کر دیے، وہ سرد موسم کے کپڑے بھی ساتھ نہ لا سکے۔ کسی طرح سے مناسب چھت یا پناہ گاہ کا انتظام نہ ہو سکا۔ جب طوفان بائرن آیا تو سب کچھ تہس نہس ہو گیا۔ خضریٰ کہتی ہیں کہ ہمارے ٹینٹ کی کپڑے اور پلاسٹک سے بنی چھتیں اڑ گئیں۔ چھت ہمارے اوپر آن گری۔ ہم پہلے دعا کرتے رہے کہ یا اللہ! بارش دے تا کہ پیاس مٹ سکے، اب ہم دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! یہ طوفانی بارش وہاں بھیج جہاں سے ہم پر بمباری کی جاتی رہی ہے۔

ہمارا حال یہ ہے کہ ایک کمبل کے کونوں میں ہم سب ماں باپ، بہن بھائی گھس جاتے ہیں۔ایک کرسی پر سرکس کا سماں ہوتا ہے۔ پاؤں پانی میں ڈوبے ہوتے ہیں اور سروں پر زوردار بارش برستی ہے۔اگر کسی کے پاس میٹرس تھا بھی تو وہ اسے کہاں بچھائے؟ غزہ کے اندر اور قرب وجوار میں ہزاروں لاکھوں لوگوں کا یہی حال ہے۔کسی کا حال دوسرے سے مختلف نہیں ہے۔

غزہ میں کہیں ڈرین سسٹم باقی بچا ہے اور نہ ہی سیوریج کا نظام ہی باقی ہے۔ ہر پائپ ٹوٹا ہوا ہے۔اب بارش میں یہاں جا بجا فوارے ابلتے ہیں۔ان میں سے تعفن سے بھرا مادہ باہر نکلتا ہے۔ہمیں انسانی بنیادوں پر کام کرنے والے آ کے کہتے ہیں کہ کہیں اور چلے جاؤ، یہاں بیماریاں پھیلنے کا خطرہ دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے۔ہم ان سے کہتے ہیں کہ وہ جگہ بتاؤ جہاں یہ سب نہ ہو۔

کچھ دن پہلے ایک نوجوان معین حامد آئے۔وہ اپنی تباہ حال کھڑکی ٹھیک کر رہے تھے کہ گر پڑے۔انہیں شدید چوٹیں آئیں تھیں۔ہم انہیں قریبی ہسپتال لے گئے۔انہوں نے اسی دن کسمپرسی کے عالم میں دم توڑ دیا۔ان کا ہمیں میڈیا میں کہیں نظر نہیں آیا۔ایسے کتنے ہوں گے جن کی بے موت مر جانے کی خبر شاید اپنوں کو بھی نہ ہو سکی۔

اس صورت حال کا بالخصوص اسرائیلی میڈیا کے لوگ، مبصرین اور تجزیہ نگار مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ اپنے جنگی جہازوں کی پھیلائی تباہی پر عش عش کر اٹھتے ہیں۔فلسطینیوں کے مسائل اجاگر کرنے کے بہانے بربادی پر قہقہے لگاتے ہیں۔چینل 19 کے ایک پینل کے ایک رکن نے کہا کہ مجھے تو اس کی ذرہ بھر پرواہ نہیں کہ ہم نے کس طرح غزہ تباہ کر دیا۔ دنیا شور نہ مچاتی تو ہمارے ''بہادر سمیت'' کچھ بھی باقی رہنے نہ دیے۔ہمیں خوشی ہے کہ فلسطینی ایک بار اس طوفان بائرن نے انہیں پھر سے بے گھر اور بے در کر دیا ہے۔اس نے برملا کہا کہ یہ طوفان دراصل ایک آپریشن کلین اپ ہے جس نے ہمارے ادھورے کام کو کافی حد تک مکمل کر دیا ہے۔تباہی کو مزید ''دو آتشہ'' کر دیا ہے۔اس کے ان حملوں پر پورے پینل نے زوردار قہقہہ لگایا۔ایک اور رکن نے کہا کہ جمعہ کی صبح آنے والے طوفان نے تو ایک ٹینٹ بھی سالم رہنے نہیں دیا۔مجھے اس سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ان فلسطینیوں کے ساتھ اس سے بھی برا ہونا چاہیے تھا۔

پینل میں شامل ایک اور رکن نے کافی کے کپ سے چسکیاں لیتے ہوئے کہا کہ اب جو کچھ ہو رہا ہے، اسے بالکل درست طور پر آپریشن کلین اپ کہا گیا ہے۔یہ سزا انہیں خداوند نے دی ہے۔اب وہ پانی سے غزہ کی پٹی کو ان کے ناپاک وجود سے صاف کر رہا ہے۔

یہ خیالات محض خلا میں ادا نہیں کیے جا رہے تھے۔اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کس طرح سے فلسطینیوں کی تباہی پر جشن منا رہے تھے۔اس سے ان کی اخلاقیات کا بھی ''بھرپور انداز'' میں اظہار ہو رہا تھا۔

غزہ میں بارش جوں جوں بڑھتی جا رہی ہے، تباہی اور بھی واضح ہو کر سامنے آ رہی ہے۔ تمام سٹیلرز آفت زدہ اور سیلاب میں ڈوبے ہیں۔غذا برباد ہو چکی ہے۔لوگوں کے پاس جو تھوڑا بہت گزر بسر کا سامان باقی رہ گیا تھا۔ وہ مکمل بربادی کے مناظر کی عکاسی کر رہا ہے۔ ہر خاندان مایوسی کے اپنے ہی احساس سے دوچار ہے۔ ہر خاندان نے زندگی کے لیے جو کچھ بچا رکھا تھا، وہ غتر بود ہو چکا ہے۔ بیماریوں کا راج ہے۔ہسپتالوں کے اندر اور باہر لمبی قطاریں اس حقیقت کے ادراک کے باوجود روزانہ صبح ہی لگ جاتی ہیں کہ شاید درد کی ایک گولی، خارش ختم کرنے کی دوائی یا بخار سے نجات کا کوئی مکسچر ہی مل جائے۔

بائرن نے تباہ حال غزہ کو مزید تباہ کر دیا ہے۔اسے بنانے میں برسوں لگیں گے، لیکن جنگ تو ختم ہونے کے امکانات موجود نہیں۔اگر کوئی چیز اب ڈسپوزیبل رہ گئی ہے تو انسانی جان ہے۔بھوک، پیاس، ادویات کی کمی اور مسلسل ناکہ بندی انسانوں کو بہت آسانی سے ڈس پوز آف (Dispose off) کر دے گی۔

سردی تجھ سے نفرت ہے: نصیرات کیمپ سے محمد الحجاز اور امیرا الآدم نے اس صورت حال پر نومبر کے آغاز میں ایک رپورٹ مرتب کی تھی۔اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ اسرائیل جنگ بندی کی مسلسل خلاف ورزی کر رہا ہے۔وہ ٹینٹ کا سامان غزہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے۔اس وجہ سے ہزاروں خاندان اور افراد سخت سردی کا سامنا کرنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں۔

ایک خاندان کے حالات بیان کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ جب بھی بارش ہوتی ہے، جواب معمول بن گئی ہے، حمزہ کا گھر جوہڑ کا منظر پیش کرتا ہے۔یوں لگتا ہے کہ اس میں باقاعدہ تیراکی کی جا سکتی ہے۔ جوتے کیچڑ میں لت پت ہو جاتے ہیں۔ٹینٹ سے بنے خیموں کے درمیانی راستہ سے گزرنے والا ریت، مٹی اور بارود کی ملی جلی گندگی میں سے گزرنے پر مجبور ہے۔یوں لگتا ہے کہ لوگ دلدل میں رہتے ہیں اور دلدل میں سے ہی کہیں کا راستہ بنانے پر مجبور ہیں۔

ایک فلسطینی باپ نے بالکل درست منظر کشی کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم دریا میں چلتے پھرتے ہیں اور رات کو اسی دریا میں سوتے ہیں۔ یہ کہانی وسطی غزہ کے نصیرات کیمپ کی ہے ورنہ ہر جگہ یہی حال ہے۔شہریوں پر دو سال نہ رکنے والی بمباری نے 22 لاکھ انسانوں کو غزہ کے شمال سے جنوب اور غزہ سٹی سے وسطی و غربی غزہ کی جانب بھگائے رکھا۔یہ بم اور میزائل تھے جو انہیں ایک کونے سے دوسرے کونے لے جاتے رہے۔ پہلے جو بائیڈن، انتھونی بلنکن، پھر ٹرمپ اور مارکو روبیو اسے دیکھتے اور لطف اٹھاتے رہے۔پھر ٹرمپ کے داماد جیریڈ کشنر آن ٹپکے اور انہوں نے مغربی عیاشی کے اڈے غزہ میں کھولنے کا اعلان کر دیا۔

لاکھوں فلسطینیوں میں ایک المطوق بھی ہیں۔وہ بھی بار بار بے گھر ہوئے۔ٹینٹوں میں رہے۔ان ٹینٹ نما خیمہ بستیوں میں غزہ کے 80 فیصد شہری انتہائی مشکل حالات میں سردی، گرمی اور برسات کی ہر طرح کی سختیاں سہتے رہے۔المطوق نے سرد ترین موسم میں اب تک دو ماہ گزارے۔انہیں اور ان کے خاندان کو یہ امید رہی کہ جنگ بندی ہو گی تو حالات بہتر ہوتے جائیں گے۔پھر وہ اپنے خاندان کے 13 افراد کے ہمراہ قدرے پرسکون لمحات گزار سکیں گے۔لیکن اسرائیل نے جنگ بندی کی مسلسل خلاف ورزی اور پامالی جاری رکھی۔

دنیا بھر کی طرح غزہ والوں کو یہ امید بھی رہی کہ وہ اپنے مقامات پر، خواہ وہ ٹینٹ بستی میں ہی ہوں، واپس جا سکیں گے۔لیکن ٹوٹے پھوٹے ٹینٹ انہیں کسی طرح کا تحفظ یا بارش سے بچنے کا سلسلہ مہیا نہ کر سکے۔

لوگوں نے نام نہاد بازار کا رخ کیا تا کہ وہ ٹینٹ، خیمے، کمبل، میٹرس وغیرہ خرید سکیں لیکن بے پناہ مہنگی قیمتوں نے انہیں ان بازاروں سے دور رہنے پر مجبور کر دیا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ آبادی کی زیادہ تعداد مزدور پیشہ یا ورکنگ کلاس تھی۔ان کے لیے بڑھتی قیمتوں کی وجہ سے ان بازاروں سے خریداری تقریباً ناممکن تھی۔

قیدیوں کو توڑنے کے گرفتاری، نظر بندی، نفسیاتی حربے اور تشدد

اکتوبر 2023ء سے شروع ہونے والی جنگ نے ہزاروں فلسطینی لقمۂ اجل ہی نہیں بنائے، ایک خاصی تعداد ایسے نوجوانوں کی قید و بند کے مراحل سے بھی گزری جس میں سے ایک تو وہ تھے جو جہاں بھی نظر آئے، دھر لیے گئے کیوں کہ وہ نوجوان تھے۔ اس کے سوا ان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ ایک تعداد وہ تھی جو امدادی سرگرمیوں میں مشغول تھی۔ زخمی فلسطینیوں کو صحت کے مراکز یا ہسپتالوں تک لے جانا، موقع پر طبی امداد پہنچانا، معمولی نوعیت کے زخموں کی مرہم پٹی کرنا، زخمیوں کو ان کے گھروں تک لے جانا اور اسی طرح کے دیگر کام سرانجام دینا تھا۔ اسرائیل کی انٹیلی جنس بالخصوص، فوج اور پولیس بالعموم ان کو پکڑتی اور نظر بندی کیمپوں میں منتقل کرتی تھی۔ ان کا سارا ڈیٹا مرتب کیا جاتا تھا۔

ہادی اور مومن دونوں بھائی تھے اور صف اول میں خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے کزن محمد بھی تھے۔ ان تینوں کا تعلق ظاہر خاندان سے تھا۔ یہ تینوں محمد ظاہر کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔ یہ 13 اکتوبر 2025ء کو رہا ہوئے۔ انہوں نے اب تک جیل کی ہی یونیفارم پہن رکھی ہے جو اسرائیلی فوجیوں نے ان کو گرفتار کرنے کے بعد جیل میں پہنائی تھی۔ ان کو حال ہی میں اسرائیل کے ایک نظر بندی کیمپ سے قیدیوں کے تبادلے کے پروگرام کے تحت رہائی ملی ہے۔

اپنی کہانی سناتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ پہلے تین ہفتے وہ جبالیہ میں اپنے گھر میں ہی کسی نہ کسی طرح روپوش رہے۔ 10 نومبر کو اسرائیلی فوج نے اعلانات کیے کہ ان گھروں میں کوئی چھپا ہوا ہے تو باہر نکل آئے، اس کے بعد ان گھروں کو بموں سے اڑا دیا جائے گا۔ ان کے اہل خانہ اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح مغربی غزہ سٹی کی طرف چلے جائیں گے۔ انہوں نے ضرورت کے چند کپڑے لیے، کچھ اشیائے ضرورت لیں جن میں آٹا بھی تھا۔

پہلے یہ انڈونیشیا ہسپتال کے قریب و جوار میں روپوش رہے۔ 11 نومبر کو انہوں نے اگلے سفر کا آغاز کیا۔ یہ لوگ پیدل چلتے رہے۔ ان کے قافلے میں ان کے دادا، دادی، والدہ، چھوٹی بہن، ایک بھائی اور والد محمد ظاہر شامل تھے۔ ہادی، مومن اور محمد ہادی باری باری اپنے دادا کی وہیل چیئر کو دھکا لگانے کا کام کرتے رہے۔

تقریباً پانچ کلومیٹر کے بعد صلاح الدین سٹریٹ پہنچے۔ یہ جبالیہ کے مشرق میں واقع غزہ کی ایک مشہور سٹریٹ ہے۔ یہاں اسرائیلی چیک پوائنٹ تھا۔ اسرائیلی فوج کسی کو چیک کیے بغیر وہاں سے نکلنے نہیں دیتی تھی۔ وہاں اسرائیلی فوجی اور ان کے ٹینک موجود تھے۔ انہوں نے خواتین کو حکم دیا کہ وہ اس پوائنٹ کو کراس کر جائیں۔ انہیں کہا گیا کہ وہ پیچھے دیکھے بغیر تیزی سے وہاں سے گزر جائیں۔ مرد افراد کو وہاں روک لیا گیا اور ان سے تفتیش شروع کر دی گئی۔ صلہ (راقم) اور ان کی والدہ وہاں سے نکل گئیں۔ ہماری دادی، والدہ اور سات سالہ ہمشیرہ غزل ایک ساتھ وہاں سے نکل گئیں۔

ہادی اور مومن کو روک لیا گیا تھا۔ اس پر ہماری تشویش بڑھتی گئی۔ ہم نے خاصا انتظار کیا لیکن انہیں کراسنگ سے گزرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ رات کے سایے پھیل رہے تھے۔ ہم کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھی جہاں ہم ٹھہر سکیں۔ اس کے لیے ہم 12 گھنٹے وہاں ٹھہرے رہے۔ ہمارا خیال تھا کہ ہمارے مرد حضرات بھی ہم سے آن ملیں گے۔ مغربی غزہ سٹی میں الشفاء ہسپتال کے پاس خاصی دیر ہمیں رکنا پڑا۔

پھر ایک پریشان کن مرحلہ شروع ہوا۔ ہمیں تشویش تھی کہ ہمارے بھائیوں کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا ہے۔ بعد میں آنے والے ہمارے فیملی رشتہ داروں نے بتایا کہ اسرائیلی فوج تمام نوجوانوں کو بلا امتیاز نظر بند کر رہی تھی۔ صرف عمر رسیدہ مرد حضرات کو چیک پوائنٹ کراس کرنے دی جا رہی تھی۔

خطرہ اب حقیقت بن کے سامنے نظر آ رہا تھا۔ ہم نے کوئی بھی لمحہ ضائع کیے بغیر ہر اس حقوق انسانی کی تنظیم سے رابطہ شروع کیا جس سے ان حالات میں ہم رابطہ کر سکتے تھے۔ ہم کمیشن آف ڈیٹنز افیئرز سے ملے، انسانی حقوق کا یہ ادارہ اسرائیلی فوج سے رابطہ کرنے میں ہچکچاہٹ کا شکار تھا۔ ہم نے حقوق انسانی کے ایک اور گروپ ۔۔۔۔ سے رابطہ کیا، انٹرنیشنل کمیٹی برائے ریڈ کراس سے ملے۔ کسی سے ہمیں معلومات تک نہ مل سکیں کہ ہمارے نوجوان ہیں تو کہاں ہیں؟

لیکن ہر طرف سے ہم لاجواب کر دیے جاتے رہے۔

ایک ماہ بعد ہمارے والد کو 11 دسمبر کے دن انٹرنیشنل کمیٹی برائے ریڈ کراس نے رابطہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے دو بھائی اسرائیلی پولیس نے نظر بند کر دیے ہیں۔ انہیں بدنام زمانہ سدی تائمن جیل بھیج دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ میرے والد نے فون چھوڑ دیا۔ اور انہوں نے یہ خبر ہمیں آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ سنائی۔ ان کی کیفیت اور ہماری کیفیت دونوں طرف کچھ بھی کہنے اور سننے کی تھی ہی کہاں؟

میرے والد گر گئے۔ وہ پریشان تھے۔

میں بلند آواز میں چیختی چلاتی رہی۔

میرے بھائی تو میرے بہت قریب تھے۔ گہرا تعلق تھا ان میں اور مجھ میں!

مومن 23 سال کا تھا۔ وہ اسلامک یونیورسٹی غزہ میں پروگرامنگ کا طالب علم تھا۔ وہ مجھ پر بہت اعتماد کرتا۔ ہر بات آ کر مجھے بتاتا۔ مجھے آئندہ کی مشکلات سے باخبر رکھتا۔ جب بھی درست گریڈ نہ آتے تو مجھے بتاتا کہ کیا ہوا ہے۔ مجھے اس کے جذبات کا علم تھا۔

جب نسل کشی کا آغاز ہوا تب بھی وہ بالکل صحیح انداز میں سٹڈیز کرتا رہا۔ وہ اس دن بھی مجھ سے رابطہ میں تھا جس دن اسے نظر بند کیا گیا تھا۔

ہادی 25 سال کا تھا۔ وہ فزیکل ایجوکیشن کا طالب علم تھا۔ وہ ماسٹر ڈگری حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس کی تیاری بھی کر رہا تھا۔ وہ ایتھلیٹکس کوچ کے طور پر کام بھی کرتا تھا۔ جو چیزیں مجھے اچھی لگتی تھیں، مجھے لا کر دیتا تھا۔ اگر میں آن لائن کوئی بھی لباس دیکھتی اور پسند کرتی تھی، وہ خاموشی سے میرے لیے خرید لیتا۔ مجھے جب چاکلیٹ یا سنیک پسند آتے تو وہ لے آتا تھا۔

ہم تینوں کے درمیان بہت گہرا رشتہ تھا۔ اسے کئی مواقع پر بحث کرنے کی عادت تھی۔ وہ ہر کسی سے بحث کرتا۔ لیکن یہ سب پیار محبت سے ہوتا۔

ان کی گرفتاری کی خبر نے مجھے توڑ کے رکھ دیا تھا۔

ہم مکمل تباہی سے دوچار تھے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ ان کا جرم کیا تھا؟ انہیں کیوں کر گرفتار کیا گیا تھا۔ گرفتاری اور نظر بندی ہمارے لیے یکساں مشکل تھی۔

جنوری کی جنگ بندی میں جب انہیں نہ چھوڑا گیا تو ہماری امیدیں دم توڑ رہی تھیں۔

پھر مہینے گزرتے گئے۔ جنوری کی جنگ بندی ناکام ہو گئی تھی۔ میرے بھائیوں کے ساتھ ہمارے ایک پڑوسی شعبان کو بھی نظر بند کر دیا گیا تھا۔ وہ میرے بھائیوں کے ساتھ نظر بند رہا۔ یہ سب ادنار نامی جیل بھیج دیے گئے تھے۔ اس کی اتفاق سے میرے والد سے ملاقات ہوئی۔

شعبان نے ہمارے والد کو بتایا کہ یقین رکھیں ہمارے بھائی ابھی تک اچھی حالت میں ہیں۔ وہ اچھے جذبات میں، بلند حوصلے میں ہیں۔

پھر ستمبر کا مہینہ آیا اور اسرائیل نے اعلان کیا کہ شمالی غزہ خالی کر دیں اور مغربی غزہ چلے

جائیں تو ہم نصیرات آ گئے تھے۔

اپنے بھائیوں کے بارے میں ہماری پریشانی ہمیں اندر سے توڑے دے رہی تھی۔ پھر اکتوبر کا مہینہ آیا اور نئی جنگ بندی کی باتیں ہونے لگیں۔ پھر باتیں ہونے لگیں کہ اب جیلوں سے قیدیوں کا حماس کے پاس یرغمالی اسرائیلیوں کا تبادلہ ہوگا۔

13 اکتوبر کو ان فلسطینی قیدیوں کی فہرست سامنے آئی جن کا حماس نے اسرائیل سے مطالبہ کیا تھا۔ ہم نے اوپر سے نیچے تک ساری فہرست دیکھ لی۔ پھر ہمیں پتہ چلا کہ ہمارے بھائیوں کے نام بھی ان میں شامل ہیں۔ ہماری خوشی دیدنی تھی۔ ہمارے جذبات ایسے تھے کہ الفاظ میں انہیں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اس وقت تقریباً شام کے 5 بجے تھے جب میرے والد ناصر میڈیکل سنٹر گئے۔ وہاں قیدیوں کو رہا کیا جانا تھا۔

میری والدہ کہہ رہی تھیں کہ میں اپنے بچوں کے لیے ہر وہ چیز بناؤں گی جو اب تک انہیں نہ مل سکی۔ وہ اپنی بساط دنیا کی ساری نعمتیں ان کے لیے مہیا کرنا چاہتی تھیں۔ وہ بہت زیادہ جذباتی ہو رہی تھیں۔

11 گھنٹے انتظار میں گزر گئے۔ آخر کار ہادی اور مومن ہم سے آن ملے۔ میں دیکھ رہی تھی کہ میرے والد ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ سب سے پہلے انہیں ملے تھے۔ مزید چھ گھنٹے لگے جب بھائی نصیرات آئے۔ ہم بس بے گھر ہوئے تھے۔ میرے دادا دادی، نانا نانی، میرے چچا، ماموں اور ہمارے ہمسائے سب کے سب گلی میں کھڑے ہادی اور مومن کے منتظر تھے۔

میں اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکی اور انہیں اپنے گلے لگائے دیر تک روتی رہی اور خوش بھی ہوتی رہی۔ ہماری ساری رات وہیں گلی میں گزر گئی، کسی کو احساس ہی نہ ہوا کہ ہمیں سونا بھی ہے۔

ہمارے بھائیوں نے ہمیں بتایا کہ جب انہیں پکڑا گیا تو جبالیہ چیک پوسٹ پر روکا گیا۔ پھر فوری طور پر انہیں سدی تائمن نظر بندی کیمپ لے جایا گیا۔

سدی میں وہ چھ ماہ رکھے گئے۔ وہ صحیح طرح سے سو بھی نہیں سکتے تھے۔ جب وہ اوفار جیل لے جائے گئے تو پہلی مرتبہ سونا نصیب ہوا۔

اوفار میں حالات سدی کے مقابلے میں بہتر تھے۔ اس کے باوجود جیل تو بہر حال جیل تھی۔ رفع حاجت کے حالات بہت برے تھے۔ ہم دونوں کو Scabies ہو گئی تھیں۔

ہر بار شاور کے بعد ہمیں پرانے کپڑے پہننے پر مجبور کیا جاتا۔

پھر اگست 2025ء کا مہینہ آیا اور انہیں نقب جیل منتقل کر دیا گیا۔ پھر وہ آخر تک وہیں رکھے گئے۔ نقب میں میرے بھائی نے بتایا کہ کھانا قدرے بہتر تھا۔ حالات بہتر تھے۔ شاور اور شیونگ کے مواقع ملتے تھے۔ لیکن مار بھی باقاعدگی سے روزانہ پڑتی تھی۔

سدی اور اوفار کے مقابلے میں سختیوں کے باوجود نقب میں حالات بہتر تھے۔ ہمیں کمزوری تو ہو ہی گئی تھی، Scabies اور انیمیا بھی ہو گئے تھے۔ ان دونوں کو دیگر بہت سی بیماریاں بھی ہو گئی تھیں۔

مومن کو ایگزیما اور فنگل انفیکشن ہو گئی تھیں۔ یہ ایسی بیماریاں ہیں جن کا ادویات سے علاج ممکن تھا۔ یہ ادویات جیل کے گارڈز روک لیتے تھے یا سرے سے ہی ادویات سے انکار کر دیا جاتا تھا۔ ان فوجیوں کو یہ دیکھ کر بہت لطف آتا کہ ہمیں بیماریوں نے آن گھیرا ہے۔

نصیرات کیمپ پر ڈاکٹروں نے بتایا کہ ان بیماریوں کی وجہ خراب کھانا اور سورج کی روشنی سے زیادہ وقت دور رہنا تھا۔

جیل میں گوشت بہت ہی کم ملتا تھا۔ ڈبل روٹی جیم لگی ملتی، ٹماٹر دیا جاتا، ڈبوں میں پانی دیا جاتا، ابلا ہوا انڈا ملتا، تھوڑا بہت مکھن بھی مل جاتا۔ میرے بھائیوں کو کبھی بھی گوشت نہیں ملا۔ جو قیدی کھانا چھوڑ دیتا، اسے سزا دی جاتی تھی۔

قیدیوں کو بہت بری طرح مارا پیٹا جاتا۔ بعض قیدیوں پر ابلتا گرم پانی پھینک دیا جاتا۔ کچھ کو لوہے کے گرم راڈ سے مارا جاتا۔ میرے بھائی محفوظ رہے۔ بعض اوقات قیدیوں سے کہا جاتا کہ کھڑے ہو جاؤ اور بازو اوپر کر لو۔ اس طرح سارا دن انہیں تکلیف دی جاتی۔ ایسے میں آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی جاتیں۔ اس پوزیشن میں تبدیلی، پاؤں یا ٹانگ یا بازو ہلانے پر سخت مار پیٹ کی جاتی۔

ہادی کو ایک بار اس قدر مارا گیا کہ وہ دو ماہ تک اپنا سر بائیں جانب نہیں کر سکا۔ قیدیوں کو بار بار قید تنہائی میں رکھا جاتا۔ اس حالت میں مکمل خاموشی کا حکم دیا جاتا۔ قیدیوں کو اس دوران میں ایسے کمروں میں بند کر دیا جاتا جن میں کان پھاڑنے والا میوزک چلتا رہتا۔

قیدیوں کو روزانہ نکالا جاتا۔ فوجی بار بار کہتے کہ ہم تمہارے سب اہل خانہ کو مار چکے ہیں۔ اب تمہارا کوئی نہیں ہے۔

اکتوبر 2023ء سے اب تک 98 قیدی جان کی بازی ہار گئے تھے۔ 3368 نظر بندی کیمپوں میں اب تک موجود ہیں۔

خصوصی رپورٹ: ضیاء چترالی

ابو عبیدہ کون تھے؟

عسقلان ارضِ مقدس کا وہ تاریخی شہر ہے، جس کا نام جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوا ہے اور پھر اس شہر نے ابن حجر عسقلانیؒ جیسی نابغہ روزگار شخصیت کو جنم دے کر شہرت دوام حاصل کی ہے، مگر دجال نے عسقلان پر قبضہ کر کے اس کا نام بدل کر اشکلون رکھ دیا۔ یہیں الکحلوت نامی خاندان زمانہ قدیم سے مقیم تھا۔ اپنے جدی پشتی گھر میں۔ مگر 48 میں نکبہ کے دوران الکحلوت کو یہاں سے ہجرت کرنا پڑی۔ اپنے گھر، کھیت اور یادیں چھوڑ کر یہ لوگ غزہ کے جبالیا مہاجر کیمپ میں بس گئے۔ ان میں سمیر الکحلوت بھی تھے۔ جہاں فلسطینی مہاجرین کی زندگی خیموں، تنگ گلیوں اور مسلسل مشکلات سے بھری تھی۔ یہیں 11 فروری 1984ء کو سمیر الکحلوت کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام حذیفہ الکحلوت رکھا گیا۔ اپنی چھوٹی سی عمر میں ہی اس نے وہ بوجھ اٹھالیا تھا، جو بعد میں اس کی شخصیت اور مزاحمتی زندگی کی بنیاد بن گیا۔ کسے معلوم تھا کہ یہ بچہ مستقبل میں ایک عظیم شخصیت بن کر ابھرے گا، جب یہ بولے گا تو دنیا ہمہ تن گوش ہو کر سنا کرے گی۔ یہی وہ بچہ ہے، جسے ہم سب ابوعبیدہ کے نام سے جانتے ہیں۔

بچپن اور جبالیا میں پرورش:

حذیفہ سمیر الکحلوت کا بچپن جبالیا کی مہاجر خیمہ بستی میں گزرا۔ یہاں کی تنگ گلیاں، محدود وسائل اور روزمرہ کے چیلنجز نے اس کی روح کو مضبوط بنایا۔ مہاجر کیمپ کی زندگی اک جہد مسلسل کا نام ہے، ہر قدم پر صبر اور امید کی روشنی جہاں ہمیشہ مدھم۔ کھلی زمینوں کی جگہ خیموں کی قطاریں، کھیلنے کی جگہ خوف، گلیوں میں بجلی کم اور حوصلے زیادہ۔ یہی وہ خاک تھی، جس نے نوجوان حذیفہ کی سوچ کو جلا بخشی اور اسے مستقبل کے لیے مضبوط بنایا۔ خاندانی تربیت میں قرآن و سنت کی اہمیت نے اسے ابتدائی عمر سے ہی ایک مضبوط دینی بنیاد دی۔ اپنے آس پاس کے بزرگوں سے امن، خدمت اور قربانی کے اسباق سیکھے۔ اس کے والد، سمیر الکحلوت خود ایک شریف اور دیندار شخصیت تھے، انہوں نے اپنے بچوں کو قرآن کی تعلیم اور اخلاقیات کا سبق دیا۔ حذیفہ نے چھوٹی عمر میں قرآن حفظ کرنا شروع کیا اور اس کی فطری ذہانت اور یادداشت نے اسے جلد ہی نمایاں کر دیا۔

یہاں کے ماحول نے حذیفہ کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالا۔ جبالیا کی خیمہ بستی میں، جہاں ہر دن بقا کی جنگ تھی، حذیفہ نے جانا کہ زندگی میں ثابت قدمی، صبر اور قربانی کی کتنی اہمیت ہے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے اردگرد کی زمینیں کبھی آباد تھیں، کبھی اجاڑ دی گئی تھیں، لیکن لوگ اپنے ایمان اور حوصلے سے جینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ منظر اس کے دل و دماغ میں نقش ہو گئے اور مستقبل میں اس کی مزاحمتی سوچ کی بنیاد بنے۔

تعلیمی سفر:

تعلیم کے لیے حذیفہ نے مقامی مدارس اور پھر جامعہ اسلامیہ غزہ میں داخلہ لیا۔ یہاں اس نے نہ صرف دینی علوم بلکہ تاریخ، عقیدہ اور فلسطینی مسئلے کی جڑوں پر بھی گہرا مطالعہ کیا۔ 2013ء میں اس نے اسلامی یونیورسٹی غزہ سے ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی اور اس کی تحقیق کا موضوع تھا: "زمین مقدس: یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے درمیان تاریخی تعلق"۔ یہ مضمون اس کی فکر کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ صرف جنگی یا میڈیا رہنما نہیں، بلکہ ایک سوچنے

والا اسکالر بھی تھا، جو اپنی قوم کی تاریخ اور مذہبی حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرتا تھا۔ بعد میں پی ایچ ڈی کے لیے بھی داخلہ لیا۔ لیکن مزاحمتی جدوجہد میں مشغولیت کی وجہ سے یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ مگر اس کے باوجود حذیفہ کی علمی شخصیت نے اسے دیگر نوجوانوں سے ممتاز کیا۔ اس کی تحریری اور تقریری صلاحیتیں اس وقت بھی نمایاں تھیں۔ تعلیمی اداروں میں اس کے استاد اس کے لب و لہجے، صاف گوئی اور دلائل کے ساتھ بحث کرنے کی صلاحیت کے مداح تھے۔ انہی خصوصیات نے بعد میں اس کے میڈیا اور مزاحمتی جدوجہد میں کلیدی کردار ادا کیا۔

مزاحمتی سفر کی ابتدا:

حذیفہ نے اپنی نوجوانی میں ہی مزاحمت کے راستے کا انتخاب کیا۔ 2002ء میں اسے القسام میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ یہاں اس نے نہ صرف عملی مزاحمت میں حصہ لیا بلکہ جلد ہی اس کی ذہانت اور فصاحت نے اسے میڈیا اور اطلاعات کے شعبے میں ممتاز کر دیا۔ اسے ''ابوعبیدہ'' کے لقب سے پکارا گیا، جو جنتی صحابی فاتح القدس، سیدنا ابوعبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ کی یادگار تھا۔ یہ نام اسے نہ صرف ایک مزاحمتی رہنما کے طور پر شناخت دیتا تھا بلکہ فلسطینی عوام میں بھی اس کی قدر و منزلت بڑھاتا تھا۔

ابوعبیدہ کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہمیشہ پس پردہ رہتا، خود کو نمایاں نہیں کرتا، ابتدائی دور میں وہ کالا نقاب پہنتا، بعد میں لال دھاریوں والا کوفیہ اس کی پہچان بن گیا۔ اس کی باتیں، بیانات اور میڈیا میں پیش کردہ موقف دنیا بھر کے لوگوں کے لیے رہنما اور علامت بنتے۔ اس کا چہرہ کبھی منظر عام پر نہیں آتا تھا، مگر اس کی آواز اور الفاظ ہر فلسطینی کے دل میں پہنچتے تھے۔ وہ سمجھتا تھا کہ حقیقی طاقت انفرادی شہرت میں نہیں، بلکہ قوم اور مقصد کے لیے قربانی میں ہے۔

میڈیا اور عوامی شناخت:

ابوعبیدہ کی شہرت 2004ء کے اوائل میں پہلی بار سامنے آئی، جب اس نے ایک ویڈیو کے ذریعے فلسطینی عوام کو اسرائیلی جارحیت کے بارے میں آگاہ کیا۔ اس نے ہمیشہ اپنی بات میں احتیاط اور دانشمندی اختیار کی، مگر ہر لفظ میں درد اور جدوجہد کا احساس جھلکتا تھا۔ جون 2006ء میں ''عملیۃ الوہم المتبدّد'' کے دوران اس نے پہلی بار عوام کے سامنے اپنی شناخت قائم کی، جس میں دو اسرائیلی فوجیوں کے قتل اور جلعاد شالیط کے اغوا کا اعلان کیا گیا۔ اس کی یہ تقریر اور میڈیا پیشکش فلسطینی عوام کے لیے امید اور مزاحمت کی علامت بن گئی۔ ان کی شہادت کا اعلان ہونے کے بعد الجزیرہ سمیت متعدد چینلز نے یہ ویڈیو آج پھر نشر کی۔ پھر حالیہ طوفان میں اس کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ بچے اس کی نقالی کرنے لگے۔ اس کی نقاب پوش تصویر اک علامت بن گئی۔ مزاحمت اور صبر واستقامت کی مضبوط علامت۔ دنیا بھر کے وہ لوگ جن کے دل قضیہ قدس کے ساتھ دھڑکتے ہیں، وہ بے تابی اس نقاب نقاش کے نئے بیان کا انتظار کرتے۔ اِدھر وہ لب ہلاتا، اُدھر میڈیا میں شہ سرخی بن جاتی۔

اصولاً وہ بیانات اور میڈیا حکمت عملی میں مہارت رکھتا تھا، وہ الفاظ سے کھیلنے کا ہنر بخوبی جانتا تھا گویا وہ تعبیر کا جادوگر تھا۔ ایک ایسا چہرہ جو جنگی محاذ میں ہمیشہ خود کو چھپائے رکھتا مگر لفظی محاذ پر ہمیشہ سب سے آگے ہوتا۔ ابوعبیدہ نہ صرف مزاحمتی بیانات میں نمایاں تھا بلکہ اس نے میڈیا کے ذریعے فلسطینی عوام کے حوصلے بلند کیے۔ اس کی تقریروں اور بیانات کی صداقت اور تاثیر اتنی مضبوط تھی کہ اسرائیلی میڈیا بھی اسے معتبر سمجھتا تھا۔ اس کے بیانات میں کبھی مبالغہ آرائی نہیں ہوتی، نہ ہی حقائق چھپائے جاتے، بلکہ ہر بیان میں درست معلومات اور اخلاقی اصولوں کا امتزاج ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نہ صرف فلسطینی عوام میں بلکہ عرب دنیا کے دیگر ممالک میں بھی ایک قابل احترام شخصیت کے طور پر جانا جاتا تھا۔

خاندان اور ذاتی زندگی:

ابوعبیدہ کی ذاتی زندگی انتہائی نجی رہی۔ وہ چار بچوں کے والد تھے: لیان، منۃ اللہ، یمان، اور ابراہیم۔ اس کی بیوی اور بچوں کے ساتھ تعلق محبت اور تربیت پر مبنی تھا۔ بچوں کو قرآن کی تعلیم دی اور وہ دینی اور اخلاقی تربیت سے مزین کیا۔ حذیفہ ہمیشہ اس بات پر زور دیتا کہ ہر مؤمن کے دل میں اللہ کے لیے ایک خفیہ جگہ ہونی چاہیے، جسے کوئی نہ جان سکے اور یہی اصول اس کی اپنی زندگی میں بھی نظر آتا تھا۔

مزاحمتی کارنامے اور خطرات:

حذیفہ کی زندگی مسلسل خطرات اور اسرائیلی ہدف میں رہی۔ 2002ء سے 2025ء تک وہ بارہا اسرائیلی فوج کی کوششوں کے باوجود محفوظ رہا۔ اس کے گھر، محلہ اور مخفی مقامات پر متعدد حملے ہوئے، مگر وہ ہمیشہ ثابت قدم رہا۔ اس کی تقریریں، میڈیا پیشکش اور مزاحمتی حکمت عملی فلسطینی عوام کے لیے مشعل راہ بنیں۔ اس کی شہرت میں اضافہ 2020ء میں اسرائیل کے مغربی کنارے اور غور فاضل کے ضم کرنے کے فیصلے کے بعد ہوا، جب اس نے ایک ویڈیو بیان میں واضح کیا کہ فلسطینی مزاحمت ہر اقدام کا جواب دے گی۔ اس کی تقریریں ایک قوم کے حوصلے کو بڑھانے اور دشمن کے عزائم کو ناکام بنانے کا ذریعہ بنیں۔

شہادت اور اس کا اثر:

30 اگست 2025ء کو اسرائیلی فوج نے ایک فضائی حملے میں ابوعبیدہ کو شہید کر دیا۔ حملے میں اس کی بیوی اور سارے بچے بھی شہید ہوگئے۔ سوائے ایک بیٹے ابراہیم کے۔ دجال نے اسی دن شہادت کا اعلان کیا تھا۔ مگر مزاحمت نے کوئی آفیشل بیان جاری نہیں کیا۔ اس سے اک امید قائم تھی کہ ترجمان شاید زندہ ہے۔ مگر آج اس کا آفیشل اعلان کر دیا گیا۔ حذیفہ کی شہادت نے فلسطینی عوام سمیت دنیا بھر کے مسلمانوں میں شدید صدمہ اور غم پیدا کیا، مگر ساتھ ہی یہ مظہر بھی کہ حذیفہ کی جدوجہد، قربانی اور مزاحمتی روح زندہ رہی۔

ابوعبیدہ کی شہادت کے بعد بھی اس کا اثر ختم نہیں ہوا۔ اس کے بیانات، تقریریں اور مزاحمتی اصول آج بھی فلسطینی عوام کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس کی زندگی اور قربانی ایک مثال ہے کہ کیسے ایک شخص علم، عزم اور ایمان کے ساتھ قوم کی خدمت کرسکتا ہے۔

ابوعبیدہ صرف ایک مزاحمتی قائد یا میڈیا ترجمان نہیں تھا۔ وہ ایک علامت تھا، ایک مشعل تھا، ایک چراغ جو فلسطینی عوام کی امید اور عزم کی نمائندگی کرتا تھا۔ اس کی زندگی، تعلیم، مزاحمت اور شہادت ہر فلسطینی اور عرب کے دل میں زندہ رہے گی۔ حذیفہ کی دو دہائیوں پر مشتمل مزاحمتی زندگی کا نچوڑ یہ ہے کہ حقیقی قربانی اور قیادت خود کو نمایاں کرنے میں نہیں، بلکہ مقصد، قوم اور ایمان کے لیے کام کرنے میں ہے۔ ابوعبیدہ کی مثال ہمیشہ زندہ رہے گی اور اس کی قربانی فلسطینی قوم کی تاریخ میں ایک امر واقعہ کے طور پر محفوظ رہے گی۔ اب اگلے ترجمان کا نام بھی ابوعبیدہ ہی رکھا گیا ہے۔ ابوعبیدہ کا نام آج بھی زندہ ہے اور تا قیامت زندہ رہے گا۔

خصوصی رپورٹ: شان میتھیوز

غزہ گیس سکینڈل: اسرائیل، امریکہ اور متحدہ عرب امارات کی سازش

غزہ کے آف شور گیس ذخائر عرصہ دراز سے کئی ملکوں کے لیے لالچ اور حرص کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ پلوٹونیم، یورینیم، ہیرے اور سونا عام طور پر کمزور اور چھوٹے ممالک میں بے پناہ مقدار میں ہیں۔ انہی ممالک میں خانہ جنگی عروج پر ہے۔ اس خانہ جنگی میں امیر اور بڑے ممالک ملوث ہیں۔ آپ سوڈان پر نگاہ دوڑائیں۔ پہلے جنوبی سوڈان کو سازش، شدید خانہ جنگی اور پھر بین الاقوامی مداخلت سے سوڈان سے الگ کر دیا گیا۔ آج کل پھر سوڈان میں خانہ جنگی عروج پر ہے۔ جنوبی سوڈان میں بے پناہ سونے کے ذخائر ہیں۔ مشرقی تیمور میں ریفرنڈم کرا دیا گیا۔ اسے انڈونیشیا سے الگ کر دیا گیا۔ مالے میں شدید خانہ جنگی رہی۔ وہاں یورینیم، پلوٹونیم اور دیگر تابکار عناصر کے وسیع ذخائر تھے۔

یہی کیفیت غزہ میں ہے۔ گیس کے وسیع ذخائر بھی یہاں نسل کشی (Genocide) کی ایک بڑی وجہ ہیں۔ ان کو نکالنے میں حماس رکاوٹ تھی۔ اسے دہشت گرد قرار دے دیا گیا۔ اسرائیل نے غزہ کی تقریباً 19 سال ناکہ بندی کیے رکھی۔ اسرائیل کے اندر بھی گیس کے بڑے ذخائر ہیں۔ ان کو یورپ تک لانا مقصود تھا۔ اس کے دو روٹ تھے۔ پہلا روٹ یونان کے راستے سے تھا۔ اس پر اخراجات بے پناہ تھے۔ خیال کیا جا رہا تھا کہ منافع مارا ہی نہ جائے۔

دوسرا روٹ مصر کے راستے یورپ جانے کا تھا۔ اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ابراہام معاہدوں کا ڈول ڈالا گیا۔ مصر سے 35 ارب ڈالر کا معاہدہ کیا گیا۔ ابھی یہ معاہدہ کھٹائی میں ہے۔ مصر سے معاہدہ فی الحال منسوخ ہو چکا ہے۔

غزہ کے آف شور گیس ذخائر کو پہلے نکالنے لے جانے کی سازش تیار کی جا رہی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ امریکہ، اسرائیل اور متحدہ عرب امارات اس سازش کے کردار ہوں گے۔ حماس آڑے آئی تو دنیا غزہ میں ایک نئی نسل کشی جنگ کا تماشا دیکھے گی۔ اس پر تینوں ممالک میں مذاکرات کا عمل جاری ہے۔ یاد رہے کہ سوڈان میں ہونے والے واقعات میں بھی یو اے ای ملوث ہے۔ ایک مسلمان ملک کے سرمائے، اسلحہ اور دیگر وسائل کے استعمال سے مسلمانوں کو زندہ دفن کیا جا رہا ہے۔

غزہ میں گیس کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ یہ گیس امریکہ لے جائی جائے گی یا اس کے ذریعے بعض دیگر ممالک لے جائی جائے گی۔ اس سے حاصل شدہ رقم سے ''غزہ کی تعمیر نو'' کے منصوبے مکمل کیے جائیں گے۔

امریکہ، اسرائیل اور امارات کے درمیان مذاکرات مختلف سطحوں اور طریقوں سے جاری ہیں۔ ان کی تصدیق مغربی سفارتی حلقے عرب حکام اور اسرائیلی حکام کر رہے ہیں۔ جن کمپنیوں کے

ذریعے یہ عمل جاری ہے، ان میں امارات کی کمپنی ابو دبئی نیشنل آئل کمپنی (ADNCX) ہے۔ یہ غزہ کے غیر ترقی یافتہ آئل گیس فیلڈز کی ترقی میں دلچسپی لے رہی ہے۔

اس سلسلے میں ہونے والے مذاکرات ابھی ابتدائی نوعیت کے ہیں۔ ان میں سے بہت سے امور جنگ غزہ کے بعد کے حالات کے بارے میں ہیں۔ ان مذاکرات کو امریکہ خصوصی دلچسپی لے کر آگے بڑھا رہا ہے۔ یہ عمل جنگ بندی سے پہلے شروع کر دیا گیا تھا۔ غالب گمان یہ ہے کہ حماس کو نابود کرنے کی دھمکیاں ٹرمپ نے اس منصوبے کے تحت دی تھیں۔ اسرائیل کو علم تھا کہ جنگ بندی کے بعد اسے غزہ کے آف شور ذخائر سے کیا اور کس طرح ملنے والا ہے۔ یہ تقسیم جنگ سے پہلے اور دوران میں کر لی گئی تھی۔ اسی لیے ان ممالک نے جنگ کے متوقع خاتمے سے پہلے سخت اور متعین نوعیت کے وعدے نہیں کیے تھے۔ ان ان وعدوں پر کام شروع کر دیا گیا ہے۔

اسرائیل کو اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ کون سا مسلم یا عرب ملک اسے ابراہام پراسیس میں شامل ہو کر تسلیم کرے گا یا نہیں۔ اس کی دلچسپی یہ ہے کہ حماس کو شکست دینے، بالکل ختم کرنے، غزہ خالی کرانے میں کس مسلم ملک کی افواج کیا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اس کے لیے اس کی نگاہیں مصر، سعودی عرب، ترکی، پاکستان اور انڈونیشیا کی فوجی قوت پر ہیں۔ ان ممالک کی جانب سے اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بعد ان کا معاہدہ دوستی ہونا ممکن ہے۔ اس کے نتیجے میں فلسطینیوں کی 60 فیصد آبادی غزہ سے نکال دی جائے گی۔

مغرب کے سفارتی حکام کے حوالے سے کہا جا رہا ہے کہ غزہ گیس کو تعمیر نو کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ دسمبر 2025ء میں کیا گیا۔ یاد رہے کہ غزہ کی سمندری حدود میں گیس 25 سال قبل 2020ء میں دریافت کی گئی تھی۔

اس گیس کی دریافت پر طے ہوا تھا کہ فلسطین سرمایہ کاری فورم اس کا پہلا سٹیک ہولڈر ہوگا۔ یہ فلسطینی اتھارٹی کا خودمختار مالی فورم ہے۔ اس وقت بھی غزہ کے حوالے سے حماس کو سٹیک ہولڈر بنائے جانے کے جائز راستے کے بجائے مغربی کنارے کی فلسطینی اتھارٹی کو بنایا گیا جس کا اس منصوبے سے دور نزدیک کا بھی کوئی تعلق نہیں بنتا تھا۔ فلسطینی اتھارٹی کے بازو آسانی سے جس طرح مروڑے جانا ہوں، ممکن تھے۔ حماس کے ساتھ یہ عمل کرنا آسان نہیں تھا۔

ایک تیسرا ادارہ اس عمل میں Consolidated Contractors Company (یا CCC) تھا۔ یہ ادارہ تعمیر اور توانائی کے شعبوں سے متعلق تھا۔ اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ پورے غزہ کی تباہی برسوں پہلے کا منصوبہ تھی۔ اب تعمیر و توانائی کے لیے اس کمپنی کو آگے لایا جا رہا ہے۔ اس کمپنی کے ایک مالک فلسطینی ہی ہیں جو تا حال یونان میں مقیم ہیں۔

اس منصوبے کے 45 فیصد حقوق ایک اور انٹرنیشنل شراکت دار مصر، جی ہاں مصر کے لیے مخصوص ہیں۔ یہ تو آنے والا وقت بتائے گا کہ مصر کو اس تباہ حال غزہ کے ذخائر سے کس قدر اور کس طرح سے حقوق ملتے ہیں۔ مصر کے ان حقوق کے حماس کے اکتوبر 2023ء سے پہلے سے طے شدہ ہیں۔

مشرقی بحیرۂ روم میں تیل و گیس کے ایک ماہر مائیکل بیرن کا کہنا ہے کہ غزہ کے گیس ذخائر ایک بہترین قابل عمل منصوبہ ہے۔ اس نے اس موضوع پر ایک کتاب The Gaza Marine Story بھی لکھی تھی۔ جب 15 برس قبل بیرن نے اس منصوبے پر کام کیا تھا تو یہ بھی بتایا تھا کہ اس منصوبے کی تعمیر پر تقریباً 75 کروڑ ڈالر کا خرچ آئے گا۔ اس سے 4 ارب ڈالر کا ریونیو حاصل ہوگا۔ اس سے سالانہ 10 کروڑ ڈالر منافع حاصل ہوگا۔ یہ منصوبہ 15 سال تک منافع دیتا رہے گا۔

تب مائیکل بیرن نے بڑے واضح الفاظ میں کہا تھا: ''اس وقت یہ فلسطین کا سب سے زیادہ قدر والا آمدن دینے والا منصوبہ ہے۔ اس کو ترقی دینے کا مطلب ہے کہ آپ ایک نیا غزہ تعمیر کرنے جا رہے ہیں۔'' اقوام متحدہ کے حالیہ اندازوں کے مطابق اس وقت غزہ کی تعمیر نو پر 70 ارب ڈالر اخراجات آئیں گے۔ لیکن اسرائیل اور امریکہ اس وقت غزہ کی مکمل تعمیر نو کے مکمل حق میں نہیں ہیں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ امریکہ کے صدر ٹرمپ کے داماد جیرڈ کشنر کے دو بڑے ہوٹل ہیں۔ یہ لگژری نوعیت کے ہوٹل ہیں۔ وہ غزہ کی عارضی تعمیر نو میں دلچسپی لے رہے ہیں، وہ غزہ کے اس حصے میں جو اسرائیل کے قبضے میں ہے، عارضی نوعیت کے گھریلو یونٹس بنانا چاہتے ہیں۔

ایک سابق مغربی سفارت کار کا کہنا ہے کہ اس کی مصر اور خلیج کے اعلیٰ سفارت کاروں سے بات چیت ہوئی ہے۔ وہ ایسے کسی بھی تعمیر نو منصوبہ کے حامی نہیں ہیں جس سے غزہ تقسیم ہو جائے۔

ٹرمپ نے منصوبہ بنایا تھا کہ حماس کے متبادل کے طور پر ایک International Stablizing Force) یعنی ISF بنائی جائے گی۔ لیکن جن عرب اور مسلم ممالک نے اس فوج کے لیے دستے روانے کرنے تھے، ان کا کہنا ہے کہ ان کی افواج حماس کے خلاف استعمال ہوں گی تو انہیں روانہ ہی نہیں کیا جائے گا۔ حماس ابھی تک مسلح ہے۔ اس طرح یہ فورس اسرائیل اور حماس کے درمیان پھنس کے رہ جائیں گی۔ اسرائیل اس صورت حال پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس وقت لیوانت کے ممالک میں قدرتی گیس کے ذخائر کے اعتبار سے اسرائیل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

بنیامین نیتن یاہو نے مصر سے 35 ارب ڈالر کی گیس کی خرید کا معاہدہ کیا تھا۔ متحدہ عرب امارات نے مشرقی بحیرہ روم کی گیس میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس میں اس کی کمپنیاں ADNBC اور BP دو ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کرنے میں دلچسپی لے رہی تھیں۔ اس میں اسرائیل کی NEWMED ENERGY 2024ء سے دلچسپی لے رہی تھی۔ اس کے لیویاتن میں 45 فیصد حصص ہیں۔ وہ Apfrodite میں بھی 30 فیصد کی حصہ دار ہے۔ یہ منصوبہ قبرص کی بندرگاہ پر ہے۔

جہاں تک قطر کا معاملہ ہے، وہ جنگ کے دوران میں اسرائیل کو سرمایہ فراہم کرتا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ حماس کی میزبانی بھی کرتا رہا ہے۔ وہ غزہ کی تعمیر نو میں حصہ نہ لینے کا اعلان کر چکا ہے۔ قطری وزیر اعظم دوحہ میں دسمبر میں ہی کہہ چکے ہیں کہ ہم ایسی کسی تعمیر میں حصہ نہیں لیں گے جسے دوسروں نے مل کر تباہ کر دیا۔

سعودی عرب بھی کسی نوعیت کا وعدہ کرنے کے لیے فی الحال تیار نہیں ہے۔ ولی عہد محمد بن سلمان نے اب تک کسی نوعیت کے فنڈز دینے کا اعلان نہیں کیا ہے۔ ایک مغربی سفارت کار کا کہنا ہے کہ غزہ کی تعمیر نو کے لیے کوئی بھی فنڈز دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس کے بجائے وہ امارات کے قدرتی گیس کے ذخائر میں فنڈز لگانے کے لیے تیار ضرور ہیں۔

امریکی حکومت اس سے قبل یوکرائن جنگ میں مزید سرمایہ لگانے سے پیچھے ہٹ چکی ہے۔ اس کے بجائے امریکہ روانڈا اور کانگو سے قدرتی وسائل کے حصول کے لیے بات چیت آگے بڑھا رہا ہے۔

لیکن قطر اور سعودی عرب امارات کے ساتھ مل کر امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ غزہ کے گیس ذخائر پر کام کر رہے ہیں۔

پیش منظر: حافظ عمر فاروق

فلسطینیوں کو غزہ بدر کرنے کا منصوبہ

غزہ سے موصولہ رپورٹوں سے معلوم ہو رہا ہے کہ امریکی و یورپی کمپنیوں کو انفرادی طور پر ہدف دیا گیا ہے کہ غزہ کو فلسطینیوں سے خالی کرایا جائے۔ مثال کے طور پر پٹرولیم کی شیل کمپنی اسرائیل کے بہت قریب سمجھی جاتی ہے۔ اسے یہ ٹاسک دیا گیا ہے کہ وہ ہر فلسطینی کو کچھ رقم چارج کرے اور اسے غزہ چھوڑنے اور کہیں اور چلے جانے کا کہے۔ یہ دراصل غزہ سے فلسطینیوں کی نسلی صفائی کا منصوبہ ہے۔

الجزیرہ نے اس بارے میں ڈیجیٹل تفتیش کا آغاز کیا ہے۔ اس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ ایک اسرائیلی فلائیٹ 153 فلسطینی مسافروں کو لے کر جنوبی افریقہ پہنچی۔ بعد ازاں یہ کام Al-Majd یورپ کے لیے کیا جا رہا تھا۔ یہ بات سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ اس کام میں امریکہ، اسرائیل، عرب ممالک ہی مصروف نہیں ہیں بل کہ پورا یورپ ایک ہی مشن پر ہے۔

غزہ سے انتہائی خاموشی سے ائر فلائیٹ کے ذریعے اسرائیلی ائرپورٹ سے جنوبی افریقہ لے جائے جانے والے ان مسافروں میں غالباً وہ فلسطینی تھے جو غزہ کے اندر رہتے ہوئے دو سالہ جنگ میں امریکہ و اسرائیل کے لیے جاسوسی کی خدمات ادا کر رہے تھے۔

یہ فلسطینی OR تمبو انٹرنیشنل ائرپورٹ لائے گئے۔ اس ائرپورٹ سے جنوبی افریقہ کے شہروں جوہانسبرگ اور پڑی ٹوریا کے لوگ سفر کرتے ہیں۔ یہ واقعہ 13 نومبر کا ہے۔ ان کو آغاز میں سرحدی داخلے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں سے اکثر کے پاس سفری دستاویزات یا پاسپورٹ تک نہیں تھے۔ جن کے پاسپورٹ تھے، ان پر کوئی مہر ثبت نہیں تھی کہ یہ کہاں سے سوار ہوئے اور کہاں جا رہے ہیں۔ انہیں کم و بیش 12 گھنٹے جہاز سے اترنے کی اجازت نہیں مل سکی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جنوبی افریقہ میں ان کے ٹھہرنے کا کوئی اتہ پتہ درج ہی نہیں تھا۔ ان سب کو جنوبی افریقہ کے صدر سیریل راما فوسا نے جذبۂ خیر سگالی کے بعد اترنے کی خصوصی اجازت اس وقت دی جب ایک مسلم این جی او نے ان کی ذمہ داری قبول کی۔

دو سالہ جنگ کے دوران اسرائیل، امریکہ اور عرب ممالک کا ایک مشترکہ منصوبہ سامنے آیا تھا۔ اس منصوبے کے تحت پہلے شور اٹھا کہ ایسے فلسطینی اردن، شام اور لبنان بھیجے جائیں گے۔ یہ خبر ان عرب ممالک کے حکمرانوں پر بجلی بن کے گری۔ اردن کے شاہ عبداللہ بھاگم بھاگ واشنگٹن گئے۔ وہاں سے یہ یقین دہانی لے کر آئے کہ اردن میں غالباً یہ فلسطینی نہیں بھیجے جائیں گے۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ شاہ عبداللہ نے امریکہ یاترا سے واپسی پر اخوان المسلمون پر پابندی لگا دی۔ اسے غیر قانونی تنظیم قرار دے دیا گیا۔

مصر نے بھی غزہ سے لوگوں کو لینے سے انکار کر دیا۔ معاملے کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اسرائیل نے مصر سے گیس خریداری کا 35 ارب ڈالر کا معاہدہ ختم کر دیا۔

دوران جنگ بالخصوص اسرائیل نے پروپیگنڈہ شروع کیا کہ غزہ سے رضا کارانہ طور پر کہیں بھی جانے والے فلسطینی کو 5 ہزار ڈالر فی کس بہ طور معاوضہ دیے جائیں گے تا کہ وہ جہاں جائیں، وہاں رہنے کا کرایہ اور کھانے پینے کے اخراجات برداشت کر سکیں۔ اس سلسلے میں صومالیہ اور صومالی لینڈ کے نام لیے گئے۔ ان ممالک میں خانہ جنگی پہلے ہی جاری ہے۔ گویا فلسطینی ایک نسل کشی کی جنگ سے نکلیں تو دوسری اور تیسری میں جا پھنسیں۔ اس ہجرت کو رضا کارانہ ہجرت کا نام دیا گیا۔

ایک ہجرت 1948ء میں زبردستی کرنے پر فلسطینی مجبور کر دیا تھا۔ اس ہجرت پر اقوام متحدہ نے قرارداد منظور کی کہ ان فلسطینیوں کو فلسطین واپسی کا حق حاصل ہے۔ یہ حق اب تک برقرار ہے۔ اس لیے ماضی سے سبق لیتے ہوئے ''اس مرتبہ فلسطینیوں سے کہا گیا کہ پانچ

ہزار ڈالر فی کس لو اور دوبارہ واپس نہ آنے کا تحریری حلف نامہ دے کر جاؤ۔'' گویا ان کا پھر کوئی حق واپسی باقی نہیں رہے گا۔ یہ ہجرت جبری نہیں بل کہ رضا کارانہ ہجرت کہلائے گی۔ جنوبی افریقہ روانہ کیے جانے والے 153 جبری مہاجر فلسطینیوں کے سوا کسی نے بھی 5 ہزار ڈالر طلب کیے اور نہ باہر جانے کی حامی بھری۔

مارچ 2025ء میں اسرائیل کی جنگی کابینہ نے ایک منصوبے کی منظوری دی۔ اس کے لیے ایک بیورو قائم کیا گیا۔ اس کا نام یہ تھا کہ ایسے فلسطینیوں کو غزہ چھوڑنے پر رضا کارانہ طور پر آمادہ کر لیا جائے جو اپنی مرضی سے جانا چاہتے ہیں۔ یہ دراصل زبردستی کی ہجرت تھی جسے مرضی کی ہجرت قرار دیا گیا۔ اس بیورو کی سربراہی وزارت دفاع کے سابق ڈپٹی ڈائریکٹر یاکوف بیلٹسن کو دی گئی۔

اس بارے میں اسرائیل کے وزیر دفاع یسرائیل کاتس نے دعویٰ کیا کہ 40 فیصد فلسطینی اب غزہ سے رضا کارانہ نکل جانا چاہتے ہیں۔ اس اعلان کو مہینوں گزر گئے لیکن ایک فلسطینی ایک ماہ تو دور کی بات رہی کسی ایک فلسطینی نے بھی غزہ چھوڑنے کی حامی نہیں بھری۔

گزشتہ ماہ Al-Majd یورپ نے ایک ویب سائٹ قائم کی اور اعلان کیا کہ وہ مسلم ممالک میں ریلیف فراہم کرنے کے لیے کام کرے گی۔ یہ ریلیف خصوصی طور پر غزہ چھوڑنے والوں کو فراہم کیا جائے گا۔ ویب سائٹ نے دعویٰ کیا کہ اس نے موبائل صحت کلینک قائم کیے ہیں، فلسطینی ڈاکٹروں کے دوروں کا بھی اہتمام کیا ہے۔ بعض ازاں الجزیرہ کی تحقیق سے علم ہوا کہ یہ سب جھوٹ ہے، فریب ہے۔

ایک مسافر نے اپنی شناخت ظاہر نہ کیے جانے کی شرط پر بتایا جسے نومبر میں جنوبی افریقہ لے جایا گیا تھا، بتایا کہ اس نے ویب سائٹ پر دیے گئے آن لائن لنک پر رابطہ کیا، اس سے وعدہ کیا گیا کہ اسے غزہ سے نہ صرف باہر لے جایا جائے گا، اس کی سلامتی یقینی بنائی جائے گی اور اس کے زخموں کا علاج بھی کیا جائے گا۔ شروع میں سب کچھ مفت تھا۔ پھر انہوں نے 1400 ڈالر فی کس فیس طلب کرنا شروع کر دی۔ پھر یہ فیس بڑھا کر 2500 ڈالر فی کس کر دی گئی۔

الجزیرہ نے جو تصدیقات حاصل کیں کہ طے شدہ رقوم جو طلب کی جانے لگی وہ ایک ہزار ڈالر سے دو ہزار ڈالر تک کر دی گئی۔ اس کے لیے سخت اور کڑا طریقہ کار طے کیا گیا اور ہر بار دستخط بھی لیے جانے لگے۔ صرف ان خاندانوں کی شناخت خفیہ رکھی جانے کا وعدہ کیا گیا جو روانگی سے گھنٹوں پہلے اپنی جملہ تفصیلات فراہم کریں گی۔

اگر کسی نے فوری معلومات اور تازہ ترین اپ ڈیٹس طلب کیں، انہیں کہا گیا کہ معلومات وہ اپنے رسک پر ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

مسافروں سے کہا گیا کہ وہ کریم ابو سالم کراسنگ وقت مقررہ پر پہنچیں۔ (اسرائیل میں اسے کریم ابوشالم کہا جاتا ہے)۔ یہ جنوبی غزہ کا قریبی علاقہ ہے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو ان کا سارا ذاتی سامان قبضہ میں لے لیا گیا۔ انہیں بسوں میں سوار کرا کے رامون ائرپورٹ لے جایا گیا۔ یہ اسرائیل کے شہر ایلات کے قریب ائرپورٹ ہے۔ یہ سارا کام اسرائیلی حکام کی سخت نگرانی میں مکمل ہوا۔

جہاز میں سوار ہونے میں جنوبی افریقہ کے ایک شہری نگال پرینکن نے ان کی راہنمائی کی۔ بہت واضح تھا کہ ہر قدم پر اسرائیلی مارک لگایا گیا۔ روانہ ہونے تک نہیں بتایا گیا کہ ہماری منزل کون سی اور کیا ہے۔

الجزیرہ کو جہاز کے مسافروں نے بتایا کہ وہ دوران پرواز بھی اپنی منزل سے بے خبر تھے۔ پھر انہیں ایک دوسری فلائیٹ پر منتقل کر دیا گیا۔ وہ اسے FLYYO کہہ کے پکار رہے تھے۔ روانگی کی مہر تک ہمارے سفری کاغذات پر نہیں لگائی گئی۔

FLYYO نے اس نوعیت کی متعدد فلائیٹس کا انتظام کیا تھا۔ یہ سب اسرائیلی ائرپورٹ سے شروع ہوتی تھیں، یہ رومانیہ، انڈونیشیا، جنوبی افریقہ، کینیا اور اسی طرح کے دور دراز کے ممالک لے جائی گئیں۔

Al-Majd کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ انسانی بنیادوں پر کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیم ہے۔ یہ 2010ء سے کام کر رہی ہے۔ اس کی ویب سائٹ پر کمنٹس پڑھیں تو اس کا تجربہ کرنے والوں نے لکھا:

---یہ بالکل دل اور حوصلہ توڑنے کا عمل ہے۔ یہ بہت بڑا صدمہ ہے۔ شکریہ آپ نے ان کو بے نقاب کیا۔

---خاندانوں کے ساتھ کیا ہوا؟ کسے معلوم!

---ہم صیہونیت کے Beast کے قبضے میں ہیں۔

الجزیرہ نے یہ انکشاف بھی کیا کہ اس طرح کی کوئی تنظیم یا کسی جرمنی یا یورپ کے کسی شہر میں رجسٹر نہیں ہے۔ جو ایڈریس بھی دیا گیا ہے، وہ مقبوضہ بیت المقدس یا اسرائیل کے کسی بھی شہر میں کسی جگہ بھی ریکارڈ پر نہیں ہے۔

جب ان فلائیٹس کے بارے میں ریکارڈ طلب کیا گیا اور تحقیقات کی گئیں تو دو افراد کے بارے میں علم ہوا جو اس تنظیم سے متعلقہ تھے۔ یہ دونوں فلسطینی تھے۔ ان میں سے ایک معید ہشام سیدان تھا۔ اسے تنظیم کے کاغذات میں انسانی بنیادوں پر پراجیکٹ مینیجر بتایا گیا تھا۔

جب سیدان کے نام کا مزید کھوج لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ 2024ء میں اس کی اہلیہ نے ایک ویب سائٹ پر فنڈز طلب کیے تھے کہ وہ غزہ چھوڑنا چاہتی ہے۔ ایک سال بعد 2025ء میں سیدان نے خود اپنی تصویر چسپاں کی جس میں دکھایا گیا کہ وہ رومانیہ ائرلائن کے طیارے میں سوار ہو رہا تھا۔ ائرلائن کا نام فلائی لی (FLYLii) تھا۔ اس کے ساتھ یہ اعلان درج تھا کہ وہ غزہ چھوڑ رہا ہے۔

جب اس زاویے کو دیکھا گیا جس سے وہ سوار ہو رہا تھا، فلائیٹ کا وقت نوٹ کیا گیا، جہاز کے سارے میں معلومات لی گئیں کہ وہ رومانیہ کے ائرپورٹ پر کہاں کھڑا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ 27 مئی 2025ء کو رومانیہ کے جواز میں سوار ہو رہا تھا۔ یہ جہاز اسرائیل سے بڈاپسٹ کے لیے روانہ ہوا۔ اس میں غزہ سے رومانیہ جانے والے 57 فلسطینی مسافر سوار ہوئے تھے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ سیدان یا سیدام کی شناخت درست تھی۔ اس کے اہل خانہ اسرائیل سے انڈونیشیا کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن Al-Majd یورپ سے اس کا کیا تعلق تھا، یہ معلوم نہ ہو سکا۔

جہاز میں سوار ہونے والے دوسرے فرد کا نام عدنان تھا اور اس کا بھی تنظیم Al-Majd سے ہی تعلق تھا۔

13 نومبر کو جوہانسبرگ 153 مسافر اسرائیل سے پہنچے تھے۔ ان تمام کو شیل کمپنی نے سپانسر کیا تھا اور ان کے اخراجات برداشت کیے تھے۔ ان کا دوسرا لنک انٹرنیشنل ریڈ کراس سے سامنے آیا۔

اس طرح بعض بین الاقوامی کمپنیوں کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی ہے کہ فلسطینی مسافروں کو غزہ سے باہر منتقل کرتی رہیں۔

براہ راست رپورٹ: ضیاء چترالی

گریٹر اسرائیل کا خواب کیسے بکھرا؟

غزہ کی جنگ کے آغاز کو دو برس مکمل ہو چکے ہیں اور اس دوران اس کا دائرہ غزہ سے نکل کر لبنان، شام، یمن اور ایران تک پھیل چکا ہے۔ قابض اسرائیل نے اس پوری مدت میں غیر معمولی عسکری طاقت استعمال کی، مگر اس کے باوجود یہ دعویٰ اب کمزور پڑتا دکھائی دیتا ہے کہ اس جنگ نے مشرقِ وسطیٰ کو اسرائیل کے حق میں بنیادی طور پر بدل دیا ہے۔ جنگ کے مجموعی نتائج یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اسرائیل محدود عسکری کامیابیاں تو حاصل کر سکا، مگر وہ ان کامیابیوں کو پائیدار اسٹریٹیجک فوائد میں تبدیل کرنے میں ناکام رہا۔ اس کے برعکس، ایک گہری سیاسی، اخلاقی اور علاقائی ناکامی نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے۔

یہ نتیجہ الجزیرہ سینٹر فار اسٹڈیز کی اس تحقیق میں سامنے آیا ہے جو حال ہی میں شائع ہوئی۔ تحقیق کے مطابق قابض اسرائیل نے اس جنگ کو نئی علاقائی بالادستی قائم کرنے، مزاحمتی قوتوں کو فیصلہ کن طور پر کمزور کرنے اور عرب دنیا میں نارملائزیشن کے دائرے کو وسعت دینے کے ایک تاریخی موقع کے طور پر دیکھا۔ تاہم عملی نتائج اس کے بالکل برعکس نکلے۔ اسرائیل نہ صرف سعودی عرب کے ساتھ تعلقات کے قیام کا موقع گنوا بیٹھا بلکہ نئی شامی قیادت کو بھی اپنا حریف بنا لیا، ترکیہ کے ساتھ تیز رفتار کشیدگی کی راہ اختیار کی اور اپنے بنیادی دشمنوں کو طاقت کے توازن سے باہر کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہا۔

سات اکتوبر 2023ء کے بعد نیتن یاہو نے اعلان کیا کہ یہ جنگ مشرقِ وسطیٰ کو بدل دے گی۔ اس کی دائیں بازو کی حکومت نے غزہ میں بے مثال تباہی مچائی اور اس کے بعد لبنان، یمن، شام اور ایران تک جارحیت کو وسعت دی۔ اس طرزِ عمل سے یہ تاثر دیا گیا کہ اسرائیل محض ایک عسکری ردعمل نہیں دے رہا بلکہ پورے خطے کی اسٹریٹیجک ساخت کو ازسرِ نو ترتیب دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ تاہم محاذوں کی وسعت اور جنگ کی شدت اس تبدیلی کو مستحکم کرنے کے لیے کافی ثابت نہ ہو سکی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جنگوں کا فیصلہ صرف میدانِ جنگ میں نہیں بلکہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آیا وہ دیرپا سیاسی فوائد پیدا کرتی ہیں یا نہیں اور یہی وہ پہلو ہے جہاں اسرائیل کو شدید ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

غزہ کی جنگ سے قبل مشرقِ وسطیٰ ایک نازک مگر قائم توازن میں جی رہا تھا۔ یہ توازن امن پر مبنی نہیں تھا بلکہ باہمی deterrence اور مفادات کے نظم پر قائم تھا۔ چار بڑی

علاقائی قوتیں اسرائیل، ایران، ترکیہ اور سعودی عرب اپنے اپنے دائرۂ اثر میں سرگرم تھیں۔ اسرائیل کو عسکری برتری اور غیر مشروط مغربی حمایت حاصل تھی، مگر وہ علاقائی تنہائی اور مسلسل اخلاقی بحران کا شکار تھا۔ ایران نے عرب دنیا میں موجود خلا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غیر ریاستی اتحادیوں کے ذریعے اپنا اثر بڑھایا، اگرچہ وہ سخت پابندیوں اور معاشی دباؤ میں جکڑا ہوا تھا۔ ترکیہ نے گزشتہ دو دہائیوں میں معیشت، دفاعی صنعت اور ثقافتی اثر کو یکجا کر کے ایک جامع طاقت کا ماڈل تیار کیا اور براہِ راست ٹکراؤ سے گریز کرتے ہوئے اپنا اثر بڑھایا۔ اس کے برعکس سعودی عرب نے کشیدگی کم کرنے، مفاہمت اور مہنگی جنگوں سے گریز کی پالیسی اپنائی، جبکہ خطے میں اپنا سیاسی اور دینی وزن برقرار رکھا۔

غزہ کی جنگ نے اس پورے توازن کو یک لخت توڑ دیا اور ہر طاقت کو اپنی حیثیت، حکمتِ عملی اور صف بندی پر نظرِ ثانی پر مجبور کر دیا۔ سات اکتوبر کو فلسطینی مزاحمت کے حملے نے اسرائیلی سیکورٹی نظریے کو غیر معمولی دھچکا پہنچایا۔ یہ صرف ایک عسکری ناکامی نہیں بلکہ ایک نفسیاتی اور سیاسی صدمہ تھا جس نے اسرائیلی ریاست کے دفاعی نظام اور قیادت دونوں کی کمزوریوں کو بے نقاب کر دیا۔ ایک محدود اور محصور علاقے سے منظم حملے کے سامنے ادارہ جاتی ناکامی نے اسرائیلی معاشرے میں عدم تحفظ کے احساس کو گہرا کر دیا اور قیادت کو انتہائی سخت اور سفاک ردِعمل کی طرف دھکیل دیا۔

یوں جنگ ایک محدود عسکری کارروائی کے بجائے اسرائیلی بیانیے میں ایک وجودی منصوبہ بن گئی۔ غزہ کو اس کا مرکز بنایا گیا، مگر اہداف کو لبنان، یمن، شام اور ایران تک پھیلا دیا گیا۔ تاہم یہ حد سے بڑھی ہوئی جارحیت deterrence بحال کرنے کے بجائے اسرائیل کو کئی باہم جڑے محاذوں میں الجھا گئی، جہاں سیاسی افق کے بغیر استعمال ہونے والی عسکری طاقت کی حدود پوری طرح نمایاں ہو گئیں اور اسرائیل کی علاقائی تنہائی میں اضافہ ہوا۔

غزہ اس جنگ کا مرکزی محور اور اسرائیلی ناکامی کی سب سے واضح مثال ثابت ہوا۔ ابتدا ہی سے مکمل تباہی کی پالیسی اپنائی گئی۔ انفرااسٹرکچر، شہری ادارے اور مزاحمت کے سماجی سہارے کو نشانہ بنایا گیا تاکہ فلسطینی اجتماعی ارادہ توڑا جا سکے۔ بے مثال تباہی نے غزہ کو دہائیوں پیچھے ضرور دھکیل دیا، مگر اسرائیل وہ فیصلہ کن کامیابی حاصل نہ کر سکا جس کا اس نے تصور کیا تھا۔ غزہ کی مزاحمت کو بھاری نقصانات پہنچنے کے باوجود نہ تو اسے ایک مؤثر عسکری و سیاسی قوت کے طور پر ختم کیا جا سکا، نہ مکمل زمینی کنٹرول قائم ہو سکا اور نہ ہی اس کی تنظیم نو کی صلاحیت ختم کی جا سکی۔ سب سے اہم بات یہ کہ جبری بے دخلی کا منصوبہ، خواہ اعلانیہ ہو یا پوشیدہ، مکمل طور پر ناکام رہا اور فلسطینی آبادی شدید انسانی المیے کے باوجود اپنی زمین پر ڈٹی رہی۔

اس جنگ کا ایک سنگین اور دیرپا اثر بین الاقوامی سطح پر سامنے آیا۔ نسل کشی کے مناظر نے اسرائیل کی اخلاقی ساکھ کو شدید نقصان پہنچایا، اس کے سیاسی و عسکری رہنماؤں کو پہلی مرتبہ عالمی عدالتی کارروائیوں اور الزامات کا سامنا کرنا پڑا اور مغربی معاشروں میں رائے عامہ کا رخ اس انداز میں بدلا جسے پلٹنا آسان نہیں دکھائی دیتا۔

لبنان میں قابض اسرائیل نے ملیشیا کو نمایاں عسکری نقصان پہنچایا، قیادت کو نشانہ بنایا اور وسیع تباہی پھیلائی، مگر وہ نہ تنظیم کو توڑ سکا اور نہ اس کی سماجی و سیاسی بنیادیں ختم کر سکا۔ لبنان کا فرقہ وارانہ اور نازک سیاسی ڈھانچہ ملیشیا کو بزورِ طاقت غیر مسلح کرنے کی ہر کوشش کو خانہ جنگی کے خطرے سے جوڑ دیتا ہے۔ جنوبی لبنان میں کچھ عارضی زمینی تبدیلیوں کے باوجود اسرائیل کو کوئی مستقل اسٹریٹجک ضمانت حاصل نہ ہو سکی۔ یہ محاذ ایک ایسی جنگ ثابت ہوا جو دونوں فریقوں کو کمزور تو کرتی ہے مگر کسی حتمی انجام تک نہیں پہنچتی۔

یمن میں بھی اسرائیلی اور اتحادی حملے حوثیوں کو روکنے میں ناکام رہے۔ اس کے برعکس باب المندب میں جہاز رانی کو متاثر کرنے کی صلاحیت نے حوثیوں کے علاقائی اور علامتی مقام کو مزید مضبوط کیا اور انہیں عرب و اسلامی عوام میں اضافی پذیرائی حاصل ہوئی۔

شام میں اسد نظام کے زوال کے بعد اسرائیل کے پاس یہ موقع تھا کہ وہ بغیر بڑی عسکری قیمت کے شمالی محاذ کو نسبتاً مستحکم کرے۔ تاہم مسلسل فضائی حملوں، دراندازیوں اور نئی شامی فوجی تنصیبات کو نشانہ بنانے کی پالیسی نے شام کو تعمیرِ نو کے بجائے دوبارہ تصادم کے راستے پر ڈال دیا۔ اس طرزِ عمل نے نئی شامی قیادت کو بھی اسرائیل کو براہِ راست خطرہ سمجھنے پر مجبور کیا اور ترکیہ کے ساتھ بالواسطہ تصادم کے امکانات بڑھا دیئے، جو شام کے استحکام کو اپنی قومی سلامتی سے جوڑتا ہے۔

ایران کے ساتھ محاذ آرائی اسرائیلی حکمتِ عملی کا سب سے حساس اور خطرناک پہلو ثابت ہوئی۔ ایرانی جوہری تنصیبات پر حملوں سے انفرااسٹرکچر کو نقصان ضرور پہنچا، مگر نہ جوہری پروگرام ختم ہوا اور نہ تکنیکی مہارت۔ اس کے برعکس ایران نے اپنی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے تعمیرِ نو کی رفتار تیز کی اور روس و چین کے ساتھ اسٹریٹجک تعاون کو مزید مضبوط بنایا۔ یوں یہ تصادم ایک طویل المدت کھلے بحران میں بدل گیا، جہاں فیصلہ کن ضرب کے بجائے مرحلہ وار جھڑپوں کا امکان زیادہ ہے۔

سعودی عرب کے لیے غزہ کی جنگ ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہوئی۔ جنگ سے قبل ریاض نارملائزیشن کا سب سے بڑا انعام سمجھا جا رہا تھا، مگر غزہ میں خونریزی اور اس کے عوامی اثرات نے کسی بھی تعلق کو سیاسی اور اخلاقی طور پر ناقابلِ قبول بنا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اسرائیل کی گرتی ہوئی اخلاقی ساکھ اور فلسطینی ریاست کے قیام کی راہ روکنے کی پالیسی نے دونوں کے درمیان خلیج کو وقتی کے بجائے ساختی بنا دیا۔ سعودی عرب نے اپنی روایتی پوزیشن مضبوطی سے دہرا دی کہ فلسطینی ریاست کے بغیر نارملائزیشن ممکن نہیں۔

ترکیہ بھی جنگ کے بعد ایک نمایاں اور غیر متوقع عنصر کے طور پر سامنے آیا۔ فلسطینیوں کی کھلی حمایت، عوامی دباؤ اور شام میں اسرائیلی اقدامات نے انقرہ کو اسرائیل کو ایک ممکنہ اسٹریٹجک حریف کے طور پر دیکھنے پر مجبور کیا۔ اسرائیلی تھنک ٹینکس میں بھی ترکیہ کو پہلی بار ایک بڑی علاقائی چیلنج کے طور پر زیرِ بحث لایا جانے لگا۔ یوں اسرائیل نے اپنے دشمنوں کی فہرست میں ایک مضبوط علاقائی طاقت کا اضافہ کر لیا۔

دو برس کی جنگ کا مجموعی حاصل یہ ہے کہ قابض اسرائیل عسکری طاقت کو سیاسی اور اسٹریٹجک فوائد میں تبدیل کرنے میں ناکام رہا۔ وہ نہ فلسطینی مزاحمت کا خاتمہ کر سکا، نہ لبنانی ملیشیا، حوثیوں یا ایران کو طاقت کے توازن سے باہر کر سکا اور اس کے برعکس سعودی عرب، شام اور ترکیہ جیسے اہم ممالک کو اپنے خلاف صف بند ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس طرح یہ جنگ بنجمن نیتن یاہو کے وعدے کے مطابق مشرقِ وسطیٰ کو اسرائیل کے حق میں تبدیل نہیں کر سکی بلکہ ایک زیادہ معاندانہ، غیر یقینی اور تصادم سے بھرپور علاقائی ماحول کو جنم دے گئی، جہاں اسرائیل آج بھی ایک کھلے اسٹریٹجک بحران سے دوچار ہے اور اس کا کوئی واضح اور پائیدار حل فی الحال دکھائی نہیں دیتا۔ (ضیاء چترالی بحوالہ: الجزیرہ)

زخموں سے چور غزہ کے ننھے محمد کی آخری تمنا

غزہ کے لہولہان وجود میں ایک ایسا محلہ بھی ہے جہاں ملبے کے نیچے دبی چیخیں آج بھی فضا میں معلق ہیں۔ اسی برباد شہر کے ایک گوشے میں دس سالہ فلسطینی بچہ محمد ابو محسن اپنی خاموش آنکھوں سے دنیا کو دیکھتا ہے اور اپنی ٹوٹی ہوئی سانسوں میں ایک پوری قوم کا درد سموئے کھڑا ہے۔ صبرہ محلہ میں قابض اسرائیل کے سفاک حملے نے اس کے بچپن کو لمحوں میں راکھ بنا دیا۔ وہ اپنے خاندانی گھر کے ملبے تلے سے تنہا زندہ نکلا جبکہ اس کے ماں باپ اور تمام بہن بھائی ہمیشہ کے لیے شہادت کے قافلے میں شامل ہو گئے۔ محمد کے حصے میں اگر کچھ آیا تو وہ درد تھا، محرومی تھی اور ایسی معذوری جو عمر بھر اس کے ساتھ چمٹ گئی۔

اس بچے نے اپنی ایک آنکھ کھو دی۔ اس کی دونوں ٹانگیں شدید فریکچر کا شکار ہوئیں۔ اس کا ننھا جسم بیک وقت جسمانی اذیت اور روحانی صدمے کا بوجھ اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ آج محمد غزہ کی تنگ گلیوں میں قید ایک ایسی زندگی گزار رہا ہے جہاں دوا خواب بن چکی ہے اور شفا ایک دور افتادہ امید۔ اس کی نگاہیں اس سرحد کی طرف اٹھتی ہیں جو بند ہے اور اس کے دل میں بس ایک آرزو ہے کہ اسے غزہ سے باہر علاج کے لیے جانے دیا جائے تاکہ وہ دوبارہ چل سکے اور دونوں آنکھوں سے دنیا کو دیکھ سکے۔

محمد جب بولتا ہے تو اس کی آواز لرزتی ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اس نے اپنا پورا خاندان ایک ہی لمحے میں کھو دیا۔ اس کی زخمی آنکھ مکمل طور پر اندھی ہو چکی ہے جبکہ دوسری آنکھ سے اسے ہر شے دھندلی اور غیر معمولی طور پر بڑی دکھائی دیتی ہے۔ وہ کسی عیش کا طالب نہیں۔ وہ صرف اتنا چاہتا ہے کہ اس کا علاج ہو جائے تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے اور اندھیرے سے نکل کر روشنی کو محسوس کر سکے۔

جسم کے زخم اور روح کی چیخیں

محمد کے چچا رامی ابو محسن نم آنکھوں کے ساتھ اس سانحے کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ ان کے مطابق بمباری کے دوران محمد پانچویں منزل سے نیچے جا گرا جس کے نتیجے میں اس کی ٹانگوں میں خطرناک فریکچر ہوئے اور دھاتی پلیٹیں لگانا پڑیں۔ اس کے ساتھ اس کی آنکھ کو شدید نقصان پہنچا جس پر جراحی عمل کیا گیا مگر بینائی واپس نہ آ سکی۔

رامی ابو محسن بتاتے ہیں کہ محمد شدید نفسیاتی صدمات کا شکار ہے۔ ڈراؤنے خواب اس کی نیند چھین لیتے ہیں اور وہ ہر لمحہ اپنے شہید خاندان کو یاد کرتا ہے۔ ایک ایسا ماحول جہاں طبی نظام مفلوج ہو چکا ہے اور انسانی ضرورتوں کی کوئی پروا نہیں کی جاتی وہاں ایک ایسا بچہ زندہ رہنے کی کوشش کر رہا ہے جس نے ایک ہی دن میں ماں کی آغوش بھی کھو دی اور باپ کا سایہ بھی۔

بند دروازے اور انتظار میں قید جانیں

غزہ پٹی میں حکومتی میڈیا آفس کے ڈائریکٹر اسماعیل الثوابتہ نے اس صورتحال کو ایک ہمہ گیر انسانی المیہ قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ رفح کراسنگ کی مسلسل بندش مریضوں، زخمیوں اور پورے طبی نظام کے لیے تباہ کن ثابت ہو رہی ہے۔ ان کے مطابق بائیس ہزار کے قریب مریض اور زخمی ایسے ہیں جنہیں فوری طور پر غزہ سے باہر جا کر ایسے علاج اور آپریشن درکار ہیں جو مقامی سطح پر ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ غزہ کے اندر پانچ لاکھ سے زائد طبی اقدامات درکار ہیں جو تباہ حال ہسپتالوں کی سکت سے کہیں زیادہ ہیں۔

اسماعیل الثوابتہ نے واضح کیا کہ قابض اسرائیل رفح کراسنگ کی بندش کو جان بوجھ کر اموات بڑھانے کے ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ انہوں نے امریکی صدر ثالثوں اور سیز فائر معاہدے کی ضمانت دینے والے ممالک سے مطالبہ کیا کہ وہ دونوں سمتوں میں گذرگاہ کھلوانے کے لیے فوری دباؤ ڈالیں۔ انہوں نے بتایا کہ غزہ سے باہر پھنسے فلسطینیوں کی واپسی کے لیے اسی ہزار سے زائد درخواستیں زیر التوا ہیں جبکہ ہزاروں طلبہ اپنے تعلیمی مستقبل سے محروم ہو چکے ہیں۔

الشفاء ہسپتال کے ڈائریکٹر محمد ابو سلمیہ نے کہا کہ سیز فائر کے اعلان کے باوجود طبی میدان میں کوئی حقیقی بہتری نہیں آئی۔ جو ادویات غزہ میں داخل ہو رہی ہیں وہ مجموعی ضرورت کا صرف بیس فیصد ہیں اور اکثر فوری ضرورت پوری کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ بیس ہزار سے زائد مریض سفر کے تمام مراحل مکمل کرنے کے باوجود باہر جانے کی اجازت نہ ملنے کے باعث محصور ہیں جس کے نتیجے میں اب تک بارہ سو کے قریب مریض جان کی بازی ہار چکے ہیں۔ ان میں بچے بھی شامل ہیں اور کینسر کے مریض بھی۔ یہ وہ قیمت ہے جو قابض اسرائیل کی بندش اور محاصرے کے باعث بے گناہ فلسطینی ادا کر رہے ہیں۔

نسل کشی کا نہ رکنے والا سلسلہ

قابض اسرائیل کی افواج نے سات اکتوبر 2023ء سے امریکہ اور یورپی حمایت کے سائے میں غزہ پٹی میں اجتماعی نسل کشی کا آغاز کر رکھا ہے۔ اس نسل کشی میں قتل عام، بھوک، تباہی، جبری بے دخلی اور گرفتاریاں سب شامل ہیں اور یہ سب عالمی اپیلوں اور عالمی عدالت انصاف کے احکامات کو روندتے ہوئے کیا جا رہا ہے۔

اس سفاک مہم کے نتیجے میں دو لاکھ بیالیس ہزار سے زائد فلسطینی شہید یا زخمی ہو چکے ہیں جن کی اکثریت بچوں اور خواتین پر مشتمل ہے۔ گیارہ ہزار سے زیادہ افراد لاپتہ ہیں۔ لاکھوں فلسطینی بے گھر ہو چکے ہیں۔ قحط نے درجنوں جانیں نگل لی ہیں جن میں زیادہ تر بچے ہیں اور غزہ کے بیشتر شہر اور علاقے مکمل طور پر تباہ کر دیے گئے ہیں۔

GAZA
غزہ
کو ہمدردی کے الفاظ کے بجائے
عملی اقدامات کی ضرورت
ہے۔
Save
GAZA

MVP

Muslim Voices for Palestine

Thousands of Palestinians in GAZA are freezing in tents as heavy rain and cold winds hit. They have little food, no warmth, and nowhere safe to go.

شدید بارش اور سرد ہواؤں میں

ٹھٹھرتے فلسطینی

نہ کھانا۔۔نہ گرم کپڑے۔۔اور نہ ہی جانے کیلئے کوئی محفوظ مقام